
MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC No
MAILSI

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو

افادات

مجلسِ ذکر حصّہ دوم

از

حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہ العالی

امیر انجمن خدّام الدّین دروازہ شیرانوالہ لاہور

المُشتہر: سلسلہ قادریہ راشدیہ دروازہ شیرانوالہ لاہور

بار دوم ایک ہزار — قیمت ایک روپیہ

انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

نے ایک ایسا

قرآن عزیز شائع کیا ہے

• جس میں حضرت مولانا الحاج مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین کا ترجمہ آسان اور سلیس اردو میں ہے۔ حاشیہ پر ربطِ آیات، ہر سورت کا عنوان۔ رکوع کے شروع میں خلاصہ اور مآخذ درج ہیں۔ حواشی سارے ہندو پاکستان کے علمائے کرام کے مصدقہ ہیں :-

تقطیع ۲۹ × ۲۲ / ۸

ھدیہ مجلد قسم اول ۔۔۔۔ ۸ روپیہ ھدیہ مجلد قسم دوم ۔۔۔۔ ۶ روپیہ

محصول ڈاک ۔۔۔۔ ۲ روپیہ

ناظم شعبۂ تالیف و الاشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

فہرست مضامین

ضروری عرضداشت

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کی خدمت بسلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ میرے ذمہ لگائی ہے۔ وہ جمعہ کی رات کو میرے پاس تشریف لاتے ہیں انہیں بعد از نماز مغرب سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے طریقہ پر ذکرِ جہر کراتا ہوں۔ اس لئے ان کی روحانی اصلاح کے پیشِ نظر کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں یہ **مجلسِ ذکر** کہلاتی ہے۔ مجلسِ ذکر میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے۔ وہ افادۂ عام کے لیے کتابی صورت میں مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے قبول فرمائے اور اس چیز کو مسلمانوں کی ہدایت اور میری نجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا الٰہ العالمین ط

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

مجلسِ ذکر

منعقدہ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ — ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء

تقویٰ اور زہد میں فرق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امّا بعد تقویٰ کا مصدر ہے الوقی والوقایۃ۔ جس کے معنی فارسی میں نگہداشتن اور اردو میں اپنے آپ کو بچانا۔ ہیں۔ تقویٰ ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔ کس چیز سے بچانا؟ ہر اس چیز سے اپنے آپ کو بچانا جو تعلق باللہ میں خلل انداز ہو۔ یہ ہے تقویٰ۔ اس میں ساری منہی عنہ چیزیں آ جاتی ہیں۔ مثلاً زبان سے ایسے الفاظ نہ نکالنا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ یہ زبان کا تقویٰ ہے آنکھ سے غیر محرم عورت کو نہ دیکھنا اور نہ ایسی جگہ جانا جس سے خدا ناراض ہو یہ آنکھ کا تقویٰ ہے۔ قدم اٹھا کر ایسی جگہ نہ جانا جس سے خدا ناراض ہو۔ یہ پاؤں کا تقویٰ ہے۔ مثلاً سینما گھر۔ ریشمی کپڑا نہ پہننا۔ یہ لباس کا تقویٰ ہے۔ لباس کی ایسی وضع سے بچنا جو ممنوع ہے۔ یہ بھی تقویٰ ہے۔ مثلاً ٹخنہ سے نیچے پتلون، شلوار یا

تہہ بند باندھنا۔ تقویٰ ہر مرد و زن کے لئے لازمی ہے۔

زُہد خاص ہے اور تقویٰ عام ہے۔ زُہد کے دو درجے ہیں :۔

ایک وہ زاہد ہے جو مباحات میں اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص تین کی بجائے ایک روٹی کھاتا ہے تاکہ تہجد کے لئے اُٹھ سکے۔ یہ شخص اللہ کی رضا کے لئے مباحات میں تقلیل کرتا ہے دوسرے شخص کو اللہ نے توفیق دی ہے کہ نفیس اور قیمتی کپڑا پہنے۔ ریشم نہ ہو اور ٹخنہ سے نیچے نہ ہو اگر توفیق ہو تو سو روپیہ گز کا کپڑا پہن سکتے ہیں۔ اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ بشرطیکہ آمدنی حلال کی ہو لیکن وہ کھدر پہنتا ہے۔ یہ بھی مباحات میں تقلیل ہے ۔

زہد کا دوسرا درجہ خاص ہے۔ وہ یہ ہے کہ حلال حرام کی تمیز ہو اور پھر انسان منہی عنہ سے بچے۔ میں ہمیشہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ والوں کے جوتوں کے تلے کی خاک کے ذروں میں جو موتی ملتے ہیں وہ بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔ ان میں سے

ایک موتی یہ ہے کہ حلال حرام کی تمیز ہو جاتی ہے اور یہ کہ اللہ کے پاک نام کی برکت ہے۔ باطن کی بینائی سے حلال حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ عام مسلمان اس قسم کے زہد کے مکلف نہیں۔ کابل میں ایک مجذوب تھے۔ لوگ پھلوں کے ٹوکرے لئے ان کے دروازہ پر کھڑے رہتے کہ وہ باہر نکلیں، تو پیش کریں۔ وہ جب نکلتے تو فرماتے "ببرید بپیشِ سگاں باندازید" (لے جاؤ کتوں کے آگے ڈال دو) اس قسم کے کاملین سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام۔ یہ حضرات باطن کی بنا پر مباحات کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ موتی ملنے ارزاں۔ مگر اس قسم کے کامل ملنے اس سے بھی گراں ہیں۔ پھر ہر کامل سے ہر طالب فیض نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے لئے عقیدت ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر ساری عمر ان کی صحبت میں رہ کر بھی دنیا سے محروم جانے والے ان گناہ گار آنکھوں نے دیکھے ہیں ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس قسم کے کامل، حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ان کی زبان کو لذیذ چیزوں سے لذّت حاصل نہیں ہوتی بلکہ عبادت میں خلل پڑنے کے باعث وہ ان سے پرہیز کرتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھم بہت بڑے اولیاء کرام میں سے تھے۔ انہوں نے بادشاہت چھوڑ کر اللہ کے دروازے کی غلامی قبول کر لی تھی۔ مکّہ معظمہ میں قیام تھا جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بازار میں فروخت کرتے وقت یہ آواز لگایا کرتے تھے؛

مَنْ یَّشْتَرِی الطَّیِّبَ بِالطَّیِّبِ — کون ہے جو حلال مال سے حلال مال کو خریدتا ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے بازار سے کچھ کھجوریں خریدیں ان کو کھانے کے بعد ذِکر کی لذت سلب ہو گئی۔ اللہ سے کنکشن ٹوٹ گیا۔ بہت پریشانی ہوئی۔ اللہ کی بارگاہ میں گریہ زاری کی تو القاء ہوا کہ فلاں دِن

جو کھجوریں تم نے خریدی تھیں۔ کچھ کھجوریں دکان دار
کی تھیں تمہاری نہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ دکان دار نے
جب کھجوریں تول کر ان کو دیں تو دو کھجوریں پلڑے
سے نیچے گر پڑیں۔ انہوں نے سمجھا کہ میری ہیں۔
دراصل وہ دکان دار کی تھیں۔ ان کو کھانے سے اللہ
ناراض ہو گیا اور لذّت سلب ہو گئی۔ حالاں کہ قانون
یہ ہے کہ "میری امّت سے خطا و نسیان اٹھا لیے
گئے ہیں (حدیث) مثلاً روزہ تھا یاد نہ رہا۔ اگر اس
صورت میں کسی نے پانی پی لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے
گا۔ یہ ہے خطا۔ رمضان میں ایک شخص وضو کر رہا
تھا۔ بھُول کر حلق کے اندر پانی چلا گیا۔ یہ نسیان
ہے۔ اس قسم کے زاہد بھی مباحات سے بچتے ہیں۔
یہ باطن کی بینائی کے باعث ان سے بچتے
ہیں بعض بے سمجھ کہہ دیتے ہیں کہ تصوف بدعت
ہے یہ لوح محفوظ سے آیا ہے۔ اس کی بڑی بڑی
برکتیں ہیں۔ میں دعا کرتا ہُوں کہ اللہ تعالےٰ ان کو
سمجھ عطا فرمائے۔ آمین ؂

سفر واقعی تکلیف دِہ چیز ہے ۔ عربی کا مقولہ ہے
اَلسَّفَرُ سَقَرٌ وَلَوْ ترجمہ: سفر دوزخ (کا نمونہ) ہے
کَانَ مِیلًا ط اگرچہ ایک میل ہی ہو ۔

لیکن اگر خدا کی راہ میں ہو تو ایک ایک قدم پر نیکی عطا ہوتی ہے ۔ پنجاب کی طرح میرے احباب سندھ میں بھی ہیں ۔ ان کے مجبور کرنے پر میں ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کی صبح کو پاکستان میل سے سندھ جا رہا ہوں ۔ انشاء اللہ العزیز ۱۲ر نومبر کو واپس آ جاؤں گا اس دوران میں دو جمعراتیں آئیں گی ۔ یہ مسجد آپ کا مرکز ہے ۔ میرے باہر جانے کے بعد مقامی حضرات کو چاہیئے کہ مرکز کو اسی طرح آباد رکھیں ۔ اگر گھر کا بڑا سفر پر چلا جائے تو کیا باقی گھر والے گھر چھوڑ جاتے ہیں ؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ پہلے اسی مسجد میں اگر کوئی اہل حدیث آمین بالجہر کہتا تھا ۔ تو حنفی اس سے لڑتے تھے ۔ شب برات پر یہاں چراغاں ہوتا تھا میں سب کچھ دیکھتا اور خاموش رہتا تھا ۔ میں دل میں دُعا کرتا رہتا تھا ۔ اور اللہ سے کہتا تھا کہ اے

اللہ! تیرا قرآن خود بخود راستہ بنالے گا۔

اسلام کا منبع ہے قرآن۔ قرآن کو حضورؐ سے صحابہ کرام نے لیا۔ صحابہ کرام سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین نے لیا۔ اسلام کا علمی منبع قرآن اور عملی نمونہ حضورؐ ہیں۔ اس کی اشاعت میں مفسرین، محدثین، علمائے کرام اور صوفیائے عظام سب نے حصہ لیا۔ چاروں ائمہ کرام حق پر ہیں۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ۵

۳۹ سال سے میں اسی اسلام کی دعوت دے رہا ہوں۔ دہلی میں میرے استاد حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے مجھ سے عہد لیا تھا۔ کہ میں اپنی زندگی اشاعتِ قرآن کے لئے وقف کر دوں۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اس کو نبھانے کی

توفیق عطا فرمائی۔ دہلی میں انہوں نے پانچ علماء اور پانچ گریجویٹوں کو قرآن پڑھایا تھا۔ ان پانچ علماء میں ایک میں تھا۔

انگریز مجھے دہلی سے ہتھکڑی لگا کر لایا تھا اس نے مجھے مجبور کر کے لاہور رکھا۔ اگر میرا اپنا اختیار ہوتا تو میں دہلی یا سندھ جاتا۔ لاہور کبھی نہ رہتا۔ انگریز شاید یہ سمجھتا تھا کہ اس کا لاہور میں کوئی حامی و مددگار نہیں اور یہ لاہور کی گلیوں میں پھر کر مر جائے گا۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ میرے سینہ میں قرآن ہے۔ قرآن اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔ آج میں آپ سے خانۂ خدا میں عہد لینا چاہتا ہوں۔ کہ آپ مرتے دم تک اسی محمدی اسلام کی خدمت کرتے رہیں گے اور اس کو زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں گے۔ اسی کی طرف میں آپ کو بلاتا رہا ہوں۔ جو علمی طور پر خدمت کر سکتے ہیں۔ وہ درسِ قرآن دیں۔

مجھے استاد مولانا سندھیؒ ملے اور شیخ امروٹیؒ

ان حضرات کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اشاعتِ قرآن کی توفیق دی۔ میں ہزاروں کو قرآن پڑھا چکا ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار سے زائد عالم درج رجسٹر ہیں۔

پہلے اس مسجد میں دن کو گیدڑ جوتیاں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ ایک یہ گناہ گار بندہ آ کر بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہیں منگل بنا دیا۔ بڑے بڑے بادِ مخالف کے جھونکے آئے اور گزر گئے۔

آخر میں مَیں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو مرکز عطا کر رکھا ہے اس سے وابستگی کو اپنے لئے لازم سمجھئے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

یکم ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ ۱۷ار نومبر ۱۹۵۵ء

طیّب اور خبیث

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں، کہ

اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے۔ اس نے اپنے بندوں کی راہنمائی اپنے ذمہ لے رکھی ہے اس کے لئے جس کو چاہے ذریعہ بنائے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں مُربّیوں کی صُحبت نصیب فرمائی۔ ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی کہ میں اپنے آپ کو آپ ہی سے کسی سے افضل نہیں سمجھتا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ کے باعث مجھ سے یہ نعمت چھین نہ لے۔ عُجُب، کبر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محبُوب نہیں ہیں۔ یہ نعمت اللہ والوں کے ہاں سے ہی ملتی ہے۔ دوسری کسی جگہ سے نہیں ملتی۔ عطر، عطر فروش کی دکان سے ہی ملے گا۔ بزّاز کے ہاں سے نہیں ملے گا۔ ہم اللہ کے دروازے پر کچھ لینے آتے ہیں یہاں جو کچھ ملتا ہے وہ دوسری جگہ نہیں ملتا۔ یہ قبر میں بھی ساتھ جائے گا۔ یہاں ھدایت ملتی ہے۔ ھدایت نصیب ہو گئی تو یہ قبر میں بھی ساتھ جائے گی۔ حشر میں بھی کام آئے گی۔ اس کے بعد جنت میں پہنچاتے گی

ے صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی مری مٹا دے خاک بے جان کر دے

ان سے عقیدت، ادب اور اطاعت ہو تو مدتِ مدید تک ان کی صحبت میں رہنے کے بعد یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔ میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے امتی ہیں۔ میری حیثیت ایک پوسٹ مین کی سی ہے۔ منی آرڈر بھیجنے والے اور، وصول کرنے والے اور ہوتے ہیں۔ پوسٹ مین تو دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کی طرف سے آپ کی رہنمائی کے لئے کچھ عرض کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی یہاں لاتے ہیں اور وہی بولنے کی توفیق دیتے ہیں۔ میں کچھ پڑھ کر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں۔ زبان سے کہلوا دیتے ہیں ؛

آج میں طیب اور خبیث کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہر چیز یا طیب ہوتی ہے یا خبیث بعض مال طیب ہوتا ہے اور بعض خبیث۔ یہ اگر حلال

ذریعہ سے آئے تو طیّب۔ جیسے بیع و شریٰ میں مشتری
بائع کو اپنی خوشی سے روپیہ دے کر چیز خریدتا ہے
ہبہ اور ھدیہ میں بھی خوشی کا دخل ہوتا ہے۔ حضرت
ابراہیم بن ادھم رح جنگل سے لکڑیاں لا کر مکّہ معظمہ میں
ان کو فروخت کرتے اور یہ فرمایا کرتے تھے:۔

مَنْ یَّشْتَرِیْ الطَّیِّبَ بِالطَّیِّبِ ط — کون ہے جو طیّب مال کو طیّب مال سے خریدتا ہے۔

چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکہ بازی، یہ حرام
ذرائع ہیں۔ ان سے حاصل کیا ہوا مال خبیث ہوتا
ہے۔ مال بہ ظاہر طیّب ہوتا ہے۔ لیکن ذریعہ اس
کو خبیث بنا دیتا ہے۔ ان ذرائع میں مالک کی
خوشی شامل نہیں ہوتی۔ بعض اوقات بظاہر خوشی
سے دیتا ہے۔ لیکن دل میں ناراض ہوتا ہے جیسے
رشوت میں ؛

مال پر اعمال کا ترتّب ہوتا ہے۔ بعض اعمال
خبیث اور بعض طیّب۔ مال سے جذبات پیدا ہوتے
ہیں۔ اگر مال طیّب ہوگا تو جذبات طیّبہ پیدا ہونگے

جذباتِ طیبہ سے اعمال طیبہ پیدا ہوتے ہیں
اس سے خدا راضی ہوگا۔ خدا راضی ہوگا تو دُنیا
میں حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی اور مرنے کے بعد قبر
بہشت کا باغ بن جائے گی۔ اگر مال خبیث ہوگا
تو جذبات اور اعمال خبیث ہوں گے۔ اس سے خدا
ناراض ہوگا۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْآخِرَۃِ ط
ہر شخص خبیث چیز کو ناپسند کرتا ہے۔ خبیث
عربی لفظ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ گندا ہے۔ مثلاً
میٹھی چیز ہو۔ رات کو جس برتن میں رکھی تھی۔ وہ
ننگا پڑا رہا اور اس میں سے چوہے کھاتے رہے
فرض کرو۔ برتن بھی گندا تھا اور سورج نکلنے کے بعد
اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ کوئی شریف آدمی ایسی
باسی اور گندی چیز کو کھانا پسند نہیں کرتا۔ ہم ہر
طیب چیز کو پسند کرتے ہیں۔ انسان ہو تو طیب،
جس نے کبھی مسواک نہ کی ہو۔ اس کے منہ سے بو
آتی ہو۔ اس کے کپڑے بھی گندے ہوں۔ اس کو
کوئی بھی پسند نہ کرے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بندے

کھڑے چاہئیں؟ کیا اس نے جنت خبیثوں کے لئے بنائی ہے۔ وہ تو بہت نازک مزاج محبوب ہے۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ آپ میں سے کچھ حضرات اس کو جانتے ہیں میں آپ کو اس کا نام نہیں بتلاؤں گا۔ اس کا بیان ہے کہ میں اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ اس کی برکت سے میرے دل میں ایک چراغ روشن تھا۔ ایک دن میں پانی والے تالاب کی طرف سے آرہا تھا۔ سنہری مسجد کے قریب ایک ہندو نوجوان لڑکی پر میری نظر کا پڑنا تھا کہ چراغ بجھ گیا۔ پھر آج تک روشن نہیں ہوا۔ وہ تو ایسا نازک مزاج محبوب ہے کہ غیر پر نظر بھی پڑ جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ میلانِ طبع اپنے بس کی بات نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان طبیعت کو برائی سے روک لے۔ جیسے منہ زور گھوڑا ہو وہ تو زور لگائے گا مگر سوار اس کو روکے گا۔

اعمالِ طیبہ سے مائل مقبول بنتا ہے۔ اور اعمالِ

خبیثہ سے عامل مردود ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا — بے شک اللہ پاک ہے اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تو انسان بھی طیب اور اعمال بھی طیب مقبول ہیں۔

سورۂ نور رکوع ۳ پارہ ۱۸ میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ — خبیث عورتیں خبیث مردوں، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

بعض عورتیں ایسی عفت مآب ہوتی ہیں کہ وہ اپنے سایہ کو بھی غیر مرد سے چھپاتی ہیں چنانچہ دہلی میں پرانے زمانہ کے شرفاء کے ہاں یہی تمدن تھا کہ عورتیں ڈولی میں گھر سے باہر جاتی تھیں۔ کہار ڈولی کو ڈیوڑھی میں رکھ کر باہر چلے جاتے تھے۔

عورت جب اندر بیٹھ جاتی - تو وہ اندر آتے - اور ڈولی اٹھاتے - جس گھر میں جانا ہوتا تھا وہاں بھی لے جا کر اسی طرح ڈیوڑھی میں رکھ کر باہر چلے جاتے تھے تو عورت ڈولی سے نکل کر اندر چلی جاتی اب تو جس نے ایمان بچانا ہو وہ آنکھیں نیچی کر لے۔ نوجوان لڑکیاں ہار سنگھار کر کے بے پردہ ہر جگہ لوگوں کے ایمان خراب کرتی پھر رہی ہیں۔

انسان کے جسم پر غذا کا اثر ہوتا ہے۔ کابل کا پٹھان چونکہ دنبے کھاتا ہے۔ دنبے میں چربی بہت ہوتی ہے اس لئے دنبے کھانے والا کابل کا پٹھان پوہ ماگھ کے مہینوں میں بھی اندر گرمی محسوس کرتا ہے اس کے مقابلہ میں ایک پاکستانی ان ایام میں اندر ہی سردی سے ٹھٹھرتا ہوگا اسی طرح مال میں بھی اثر ہے اگر مال طیب ہوگا تو اس کا اثر بھی طیب ہوگا۔ حاجی مولا بخش صاحب ایک یونٹ بننے تک حکومت سندھ میں وزیر تھے - وہ اللہ اللہ کرتے ہیں اور وہ اس سے پہلے بھی وزیر رہ چکے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

ایک نواب صاحب نے اپنا ایک نمائندہ میرے پاس بھیجا اور اس نے مجھ سے آ کر کہا کہ آپ نواب صاحب کا کام کر دیں۔ تو وہ آپ کی خدمت کر دیں گے میں نے اس سے کہا کہ میں نواب صاحب کا کام کر دوں گا لیکن لوں گا کچھ نہیں اس سے اس کی تسلی نہ ہوئی اس نے پھر وہی کہا میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جب اس نے کہا تو میں نے اس سے کہا کہ میں اپنی بیوی سے زنا نہیں کروانا چاہتا۔ جو لوگ رشوت لیتے ہیں ان کی بیویاں زنا کراتی ہیں دیکھیے کہ مالِ خبیث انسان کو اعمالِ خبیثہ کی طرف لے جاتا ہے ان کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان کی بیوی لاہور آئی۔ تو انارکلی میں اس کا بٹوا کہیں گر گیا۔ بٹوے میں کچھ سونا اور نوٹ تھے۔ اس نے جب واپس جا کر واقعہ سنایا تو ان کے لڑکے کہنے لگے کہ ابا جی! آپ تو کہا کرتے ہیں کہ میری آمدنی حلال کی ہے اس لیئے کبھی ضائع نہیں جا سکتی۔ یہ بٹوا کیسے ضائع ہو گیا۔ حاجی مولا بخش صاحب کا بیان ہے کہ میں خاموش ہو رہا۔ خدا کی

قدرت دیکھیئے کہ چند دنوں کے بعد مولا بخش شکار پور
کے پتہ پر ایک کارڈ آیا۔ پوسٹ مین وہ کارڈ ان کو
دے گیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ایک بٹوا ملا ہے
وہ اگر آپ کا ہے تو اشیاء کی فہرست بتلا کر لے سکتے
ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو فہرست بھیجی تو سب
کچھ جو بٹوے میں تھا مل گیا۔ اتفاقاً اس میں ان
کے نام کا چھپا ہوا کارڈ تھا جس پر صرف ان کا
نام اور شکار پور لکھا ہوا تھا۔ بٹوا ایک ہندو وکیل
کی لڑکی کو ملا اس نے اپنے باپ کو دے دیا۔
اگر وہ چاہتے تو ہضم کر سکتے تھے۔ میں آپ سے
ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ میرا ایمان ہے کہ گورنمنٹ
کے ہر محکمہ میں اللہ کے نیک بندے موجود ہیں۔ مگر
طوطی کی نقار خانے میں کون سنتا ہے۔ ان کی تعداد
بمشکل سو میں سے پانچ ہوگی۔

خبیث اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے مردود ہوتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت نہیں بنائی وہ
تو اس نے اپنے پاکیزہ بندوں کے لیے مہمان خانہ

بنایا ہے۔

ایک ہی گھر میں بعض انسان طیب اور بعض خبیث ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں خبیثوں اور طیبوں کی مخلوط آبادی ہے۔ آگے چل کر تفریق کر دی جائے گی۔

سورۃ التحریم رکوع ۲ پارہ ۲۸ میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَءَتَ نُوْحٍ وَّامْرَءَتَ لُوْطٍ ؕ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ؕ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو کے نکاح میں تھیں۔ پس ان دونوں نے (دین کے معاملہ میں) ان دونوں (نیک بندوں) کی خیانت کی۔ پس وہ دونوں ان دونوں کو اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہ بچا سکے۔ اور ان سے کہا گیا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔

دونوں خاوند امام الطیبین ہیں اور ان کی بیویاں امامتہ الخبیثین۔ لیکن میاں اور بیوی ایک ہی گھر میں رہتے رہے۔ آگے چل کر طیبین کی بستی میں کوئی خبیث نہ ہوگا۔ اور خبیثین کی بستی میں کوئی طیب نہ ہوگا۔ اس قاعدہ کلیہ کی ایک استثناء ہے۔ بعض انسانوں کو جن کے اندر نورِ توحید ہوگا۔ دوزخ میں علاج کے لئے کچھ عرصہ رکھا جائے گا۔ وہ گناہوں کی سزا بھگت کر نورِ توحید کی برکت سے دوزخ سے نکل آئیں گے۔ اور جنت میں داخل کر دیے جائیں گے جس طرح مریض کو ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔ ہسپتال کی طرح دوزخ میں بھی مختلف وارڈ ہوں گے۔ وہاں ان کی کھالیں جل جائیں گی۔ اور وہاں سے نکلنے کے بعد نہر الحیٰوۃ میں ڈالے جائیں گے۔ اور وہاں سے نکال کر بہشت میں پہنچا دیے جائیں گے۔

بعض چیزیں بظاہر طیب اور بعض باطن میں بھی طیب ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض بظاہر خبیث باطن میں بھی خبیث اور

بعض بظاہر طیب اور باطن میں خبیث ہوتی ہیں جیسے
بکری اور لیلہ بظاہر طیب اور سور اور کتا بظاہر
خبیث ہیں اس کے لئے ہر مسلمان مکلّف ہے کہ
بظاہر طیب چیزوں کو استعمال کرے اور بظاہر خبیث
چیزوں سے بچے۔ بکری اور لیلے کا گوشت کھائے
اور سوئر اور کتے کا گوشت نہ کھائے۔ باطن میں طیب
اور خبیث کی تمیز فقط اللہ والوں کو ہوتی ہے اگر کسی
طالب صادق کو شیخ کامل مل جائے اور اللہ تعالےٰ کا
فضل شاملِ حال ہو جائے تو یہ تمیز پیدا ہو جاتی ہے یہ
کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ کتنے عرصے کے بعد یہ تمیز پیدا
ہوگی۔ بکری چوری کی ہو اور آپ قصاب سے پیسے
دے کر اس کا گوشت لائیے۔ جن اللہ والوں کو یہ
تمیز عطا شدہ ہے وہ بتلا دیں گے کہ یہ گوشت
حرام ہے۔ باطن کی آنکھوں سے اس کی حرمت کا
پتہ چلتا ہے اس کو حرمت لغیرہٖ کہتے ہیں۔ بکری اصل
میں حلال تھی لیکن چوری نے اس کو حرام بنا دیا۔
کوئی بھی کلمہ گو مسلمان اس کا مکلّف نہیں۔ لیکن اس

کا اثر تو ضرور ہوگا۔ اگر کوئی شخص سنکھیا کو کونین سمجھ کر کھالے تو بے شک وہ خودکشی کا مُجرم تو نہ ہوگا۔ لیکن سنکھیا اپنا اثر تو دکھائے گا۔ جن کو اللہ تعالیٰ باطن کی دید دیتا ہے۔ وہ باطن میں حرام اور مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے ہیں۔ ان کو ان سے بُو آتی ہے۔ کابل میں کسی زمانہ میں ایک مجذوب رہتا تھا لوگ ان کے ہاں پھلوں کے ٹوکرے لے کر جاتے یہ پھل بظاہر طیب لیکن حقیقت میں خبیث تھے۔ اس لیئے وہ فرماتے۔ ببرید پیشِ سگاں اندازید۔ آخر کسی سے تو لے کر کھاتے ہوں گے۔ خدا نے دید دے رکھی ہے کہ کون سی چیز کھانی ہے اور کون سی نہیں کھانی۔ لیکن دانستہ حرام کھانے والے بھی موجود ہیں۔

میر سراج الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ بہاول پُور میں بحیثیت جج تھے۔ انھوں نے مجھے ایک دفعہ تبلایا کہ میں نے ساری عمر سائیکل بھی نہیں رکھی۔ ہمارے ہاں معمولی ڈاکٹر اور وکیل موٹریں رکھتے ہیں۔ میر صاحب

دَورے پر جاتے۔ تو نوکر کو حکم تھا۔ کہ مجھ سے پیسے
لے کر ہر چیز لا کر پکایا کرو۔ ایک دفعہ نوکر نے
لکڑیوں کے پیسے نہ لیے تو اس سے پوچھا کہ لکڑی
کہاں سے آئی۔ اس نے بتلایا کہ جنگل میں پڑی ہوئی
تھیں۔ میں اٹھا لیا۔ میر صاحب نے اس دن دوسری
جگہ جانا تھا۔ وہاں نہیں گئے۔ آس پاس کے لوگوں
سے دریافت کر کے مالک کو پیسے دیے۔ تو آگے
گئے۔ ان کی حلال کمائی کی برکت سے اللہ نے ان
کو میر عبدالجمیل صاحب بلیٹا عطا فرمایا۔ وہ آج کل
بھاولپور میں جج ہیں۔ ایک دن ان کو نواب صاحب
نے بلایا تو جو کوٹ پہن کر گئے۔ وہ پھٹا ہوا تھا
تو نواب صاحب بہت خفا ہوئے۔ تو عرض کی
کہ اتنی تنخواہ ملتی ہے۔ اتنی اباجی کو دیتا ہوں۔
اتنی بچتی ہے۔ اس میں سے میں کوٹ بھی نہیں
بنوا سکتا۔ یہ میرے پاس بہترین کوٹ ہے۔ ایک
دفعہ نواب صاحب نے ایک ملازم کے متعلق سفارش
لکھ بھیجی۔ ان کو بھی پتہ چل گیا جو سفارشی چھٹی لایا تھا

اس کو باہر بٹھا کر ملزم کو سزا دے دی۔ اس کے بعد اس کو بلایا۔ نواب صاحب کو معلوم ہوا۔ تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ ان سے عرض کی کہ میں نے تو انصاف کا تقاضا پورا کر کے اس کو جیل بھیج دیا ہے۔ آپ مالک ہیں۔ اس کو رہا کر دیں۔ یہ جرأت حلال چیزوں سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ	میرا بندہ مجھ میں جیسا گمان کرے
عَبْدِی بِی	میں ویسا ہی ہوں۔

چور کہتا ہے کہ چوری کروں گا تو رزق ملے گا۔ اس کو اسی ذریعہ سے دیتا ہے۔ دوسرا حلال کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے۔ اس کو اسی طرح دیتا ہے رزق ماں کے پیٹ میں چوتھے مہینہ ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ نہ کوئی کھا سکتا ہے اور نہ ایک دانہ چھوڑ کر مرے گا۔ اے مسلمان! تیرا تو یہ ایمان ہے۔ لیکن افسوس۔ صد افسوس۔ مسلمان سیدھے راستے سے بہت دور ہٹ گیا ہے +

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مالِ خبیث سے بچائے اور مالِ طیب گھر میں لانے کی توفیق عطا فرمائے اللہ کے پاک نام کی برکت سے یہ توفیق ہو جاتی ہے اللہ مجھے اور آپ کو اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن ایک مشین ہے۔ جس سے انسان کی زندگی کا کانٹا بدل جاتا ہے۔ کانٹا بدلنے والے اللہ والے ہوتے ہیں۔

---

۸ رجمادی الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء

عالمِ وحدت اور عالمِ کثرت

غرض یہ ہے کہ فلسفۂ شریعت پر بحث کرنے والے حکماء نے جہان کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ عالمِ ناسوت　　　　۲۔ عالمِ ملکوت

۳۔ عالمِ جبروت　　　　۴۔ عالمِ لاہوت

۱۔ عالمِ ناسوت: یہ جہان جس میں ہم رہتے ہیں اس کو عالمِ ناسوت یا عالمِ مادیات کہتے ہیں۔

۲۔ عالمِ ملکوت: جہاں ملائکہ عظام رہتے ہیں۔ اس

کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں۔

۳۔ عالمِ جبروت۔

۴۔ عالمِ لاہوت۔

آج میں عالمِ ناسوت اور عالمِ ملکوت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہم عالمِ ناسوت میں رہتے ہیں اور یہاں عالمِ ملکوت سے آئے ہوئے ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ

ترجمہ: (اے محمدؐ) آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے امر (حکم) میں سے ہے اور نہیں دیا گیا تم کو علم مگر تھوڑا۔

روح عالمِ ملکوت سے آئی ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ حقیقت میں انسان روح کا نام ہے۔ اس گوشت، پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام انسان نہیں ہے۔ جسم انسان کا لفافہ ہے کھانا۔ پینا۔ سونا وغیرہ یہ لفافہ کی ضروریات ہیں۔

موت کے وقت یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ روح کو اللہ تعالیٰ نے اس ڈھانچہ میں لا کر قید کر دیا ہے۔ موت کا مطلب یہ ہے کہ روح کو اس قید سے آزاد کر دیا جائے۔ جیسے پرندے کو پنجرے سے آزاد کر دیا جائے تو وہ فوراً اُڑ جاتا ہے۔

عالمِ ملکوت میں روح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے تھا۔ اسی تعلق میں ہم مخمور اور مست تھے وہاں نہ ہمارا کوئی باپ، نہ ماں۔ نہ بہن نہ بھائی تھا یہاں ہمارے بے شمار تعلقات ہیں۔ ماں، باپ، بہن، بھائی وغیرہ سب سے تعلق ہے گویا کہ ہم عالمِ وحدت سے عالمِ کثرت میں آئے ہوئے ہیں۔ عالمِ وحدت میں فقط اللہ سے تعلق تھا۔ عالمِ کثرت میں بظاہر سب سے تعلق ہو لیکن حقیقت میں فقط اللہ کی ذات سے تعلق رہے۔ یہی اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہے۔ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ۔ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ قلب سلیم (یعنی سالم دل) کا یہی

مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہو یہی
انسان کا امتحان ہے۔ اسی میں کامیابی انسان کا
کمال ہے۔ عالمِ وحدت میں نہ سبزی، نہ گوشت
نہ پھل نہ روٹی نہ پانی اور نہ دوائی کی ضرورت تھی
نہ بیوی اور نہ اولاد سے تعلق تھا یہاں سب چیزوں
کی ضرورت ہے اور سب سے محبت ہے یہی امتحان
ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کسی کی محبت نہ ہو اذان
میں اسی چیز کی یاد پانچ وقتہ تازہ کرائی جاتی ہے۔
اذان میں اول اور آخر اللہ اکبر کا یہی مطلب ہے کہ
ہمارا اس جہان میں آنے سے پہلے بھی فقط اللہ ہی
سے تعلق تھا۔ اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد
بھی فقط اسی سے تعلق ہوگا۔ درمیان میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھ کر
دروازۂ الٰہی پر آنے کی دعوت ہے۔ یہی مسلمان کا
پروگرام زندگی ہے اور یہی اسلام کا خلاصہ ہے اس
کے بعد حی علی الفلاح میں بتلا دیا کہ نتیجہ فلاح
(امتحان میں کامیابی) ہوگا۔

تحصیلدار، نائب تحصیلدار۔ قانونگو اور پٹواری کی
ضرورت اس شخص کو پڑتی ہے۔ جس کا تعلق ڈپٹی کمشنر
سے نہ ہو۔ جس کا براہِ راست ڈپٹی کمشنر سے تعلق ہو
اس کو ان کے ہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈپٹی
کمشنر خود ہی ان سے کہہ کر کام کرا دے گا۔ اسی طرح
جس کا کمشنر سے تعلق ہو اس کو ڈپٹی کمشنر سے کہنے
کی کیا ضرورت ہے۔ وزیر اعلیٰ کے ملنے والے کو
کمشنر کا ممنونِ احسان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جس کا
گورنر سے تعلق ہوگا وہ ان سب سے بے نیاز ہوگا جس
کا تعلق خدا سے ہو اس کو کسی چھوٹے کی کیا ضرورت
ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ نمازی نماز میں اپنے
پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔ کَاَنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّہٗ
مناجات کے معنی سرگوشی ہے۔ مستورات اور بچوں کو
بھی گھروں میں اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ یہ اذان
اسلام کا خلاصہ ہے۔ ہر مرد و زن اور بچّہ تک اس کی
آواز پہنچ جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام
سب اللہ تعالیٰ کے مرحوم و مغفور بندے ہیں لیکن

حاجت روائی کے لیے ہم فقط اللہ تعالیٰ کا ہی دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے :-

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ؕ

(جس نے اللہ کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے کسی سے دشمنی رکھی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے دینے سے ہاتھ روکا پس تحقیق اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔

تکمیلِ ایمان کے لیے حب۔ بغض۔ عطا اور منع اللہ کے لیے مخصوص کرنے کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنے اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرماتے آمین۔ اس کے لیے صحبت کی ضرورت ہے۔ عربوں کی اسلام سے پہلے کیا حالت تھی؟ شراب جوا وغیرہ سب اخلاقی برائیاں ان کے اندر پائی جاتی تھیں۔ شاذ و نادر ہی یہ ان سے بچے ہوئے تھے۔ جیسے صدیق

اکبرؓ اور ابوذر غفاریؓ ہیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر امت کا لقب عطا فرمایا۔ کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ (الآیتہ) یہ انقلاب کس طرح ان کے اندر آیا؟ قرآن کی تعلیم اور حضورؐ کی صحبت سے۔ ہمارے پاس بھی وہی قرآن ہے لیکن ہمارے ہاں وہ صحبت نہیں رہی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو صحبت نصیب تھی۔ وہ تابعین کو نہ ملی۔ جو تابعین کو حاصل ہوئی۔ تبع تابعین اس سے بھی محروم ہو گئے صحبت کی کمی ہوتی آرہی ہے۔ بعض جدید تعلیم یافتہ دین کی ریسرچ کرتے ہیں۔ ان کو علم ہے وہ جانتے سب کچھ ہیں مگر صحبت نہ ہونے کے باعث۔

نہ صورت نہ سیرت نہ خال و خط

بمحبوب نامش نہادند غلط

اوّل تو صحبت ہی نہیں۔ اگر مل جائے۔ تو ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نہیں ہوتی صحبت سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے۔ کاشتکار تو زمین میں یکساں بیج ڈال

دیتا ہے لیکن زمین اپنی استعداد کے مطابق اس کو اگاتی ہے۔ بیج کہیں کم اور کہیں زیادہ اُگتا ہے۔

حضرت امروٹیؒ کے خدام میں سے ایک شخص مولوی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ پست قد تھے اور ڈاڑھی لمبی تھی۔ وہ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے ایک دفعہ ان کے مکان میں آگ لگ گئی لوگ مکان سے سامان باہر نکال کر رکھتے جائیں۔ اور وہ اٹھا اٹھا کر اندر آگ میں ڈالتے جائیں اور فرماتے جائیں۔ کہ جس نے دیا تھا جب وہی جلانا چاہتا ہے تو تمہیں اس کو بچانے کا کیا حق ہے۔ وہ حضرت امروٹیؒ کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ راتوں رات مچھلی پکوا کر حضرت کے لیے لائے۔ جب کسی نے ان سے پوچھا۔ کہ مولوی صاحب کس سواری پہ آئے ہو تو فرمانے لگے کہ عشق کے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہوں۔

ان کو سامان سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق تھا۔ اس لیے آگ میں اٹھا کر ڈالتے جاتے

تھے کہ شاید اللہ تعالیٰ اسی میں راضی ہے۔ دنیادار کے گھر میں آگ لگ جائے تو آسمان سر پہ اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (سورۃ الحدید ع ۳ پ ۲۷)

ترجمہ: تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

اگر وہ چھین لے تو ان کو غم نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے بزرگ کا واقعہ ہے۔ ان کا نام خلیفہ محمد خاںؒ تھا۔ رات کو ان کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ ساری رات بیٹے کے سرھانے بیٹھے رہے۔ جو پوچھنے آتا۔ اس سے فرما دیتے کہ آرام آگیا ہے۔ صبح لوگوں کو انتقال کی اطلاع دی اور جنازہ کی تیاری کے لئے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو وحدت سے کثرت میں لا کر ڈال دیا ہے اور چاہتے ہیں کہ یہاں بھی عالم وحدت کا ہی رنگ ہو۔ اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔

ع بلے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

حقہ نوشوں کی صحبت میں آہستہ آہستہ حقہ کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چلم بھر کر دینے اور حقہ چلانے سے کئی بچے حقہ پینے لگ جاتے ہیں اسی طرح بھنگ نوشوں کی صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے اگر بری صحبت میں بیٹھ کر انسان بد ہو سکتا ہے تو نیکوں کی صحبت میں اس کے اندر نیکی کا رنگ پیدا ہوگا۔ شجرۂ طریقت اسی لیئے ہوتا ہے۔ آپ کے شجرے میں ایک میں ہی گنہگار آگیا ہوں۔ باقی مجھ سے اوپر حضورؐ تک سب اولیاء کرام ہی ہیں۔ اولیاء کرام کی صحبت میں رہ کر ہی یہ باتیں سیکھی اور سمجھی ہیں گھوٹ کر کوئی نہیں پلاتا۔ طالب صادق کو کامل سے عشق ہوتا ہے۔ حضرت امروٹیؒ نے سکرات کی حالت میں فرمایا کہ میرا منہ ابا کی طرف کر دو۔ ابا سے ان کی مراد دینِ شیخ حافظ محمد صدیقؒ سے تھی۔ دین پور شریف اور امروٹ شریف میں اگر کسی شخص کا نام شیخ کا ہوتا تو اس کا نام نہ لیتے تھے۔ اس کو نالے ہٹھا یعنی میٹھے نام والا کہتے تھے۔

یہ شیخ کا ادب تھا۔ پہلے زمانہ میں ہمارا تمدن یہ تھا کہ عورتیں خاوند کا نام نہ لیتی تھیں۔ یہ ادب تھا۔ عقیدت، ادب اور اطاعت خدا کی نعمتیں ہیں یہ ہوں تو کامل سے فیض حاصل ہوتا ہے ورنہ ؎

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

عقیدت۔ ادب اور اطاعت کے لحاظ سے ہی خدام کے مراتب ہوتے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ وحدت سے کثرت میں ڈال دیا جانا ہی ہمارا امتحان ہے اور کثرت میں رہ کر بھی ہم نے وحدت والا تعلق اللہ سے قائم رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین!

---

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۵۵ء

اصلاحِ قال سے زیادہ اصلاحِ حال کی ضرورت ہے

میری آج کی تقریر کا عنوان ہے کہ اصلاحِ قال سے

زیادہ اصلاحِ حال کی ضرورت ہے۔ بالفاظِ دیگر صورت کی بجائے سیرت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔
سورۃ المنافقون رکوع ۱ پارہ ۲۸ میں منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ ط وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ ط کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ط

ترجمہ: اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے جسم (شکل وصورت) آپ کو خوش نما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں کو (غور سے) سنیں۔ وہ ان لکڑیوں کی طرح ہیں۔ جو (دیوار کے) سہارے لگائی ہوئی ہیں۔

منافقین کی ظاہری شکل وصورت بڑی سُہنی تھی۔ لیکن اگر اندر دیکھا جائے تو بالکل خالی نظر آتے تھے کسی دنیوی غرض کی بنا پر مسلمان ہو کر اسلام کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن دل میں اسلام کی محبّت نہیں تھی۔ منافقین صُورت کے لحاظ سے پکّے مسلمان ہوتے تھے۔ جب باتیں کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلّم بھی کان لگا کر سنتے تھے۔ لیکن اندر اسلام کا کچھ بھی رنگ نہ چڑھا ہوا تھا۔ ان کی مثال خشک لکڑی کی سی ہے جس کو دیوار کے ساتھ لگا دیا جائے تو کھڑی رہے گی۔ ورنہ زمین پر گر پڑے گی اندر ایمان کی روح نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں۔ اصلاحِ حال نہ ہو تو اصلاحِ قال سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے گزرا۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا۔ کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے عرض کی کہ معزز لوگوں میں سے ہے کہ اگر رشتہ مانگے تو دے دیا جائے۔ کسی سے سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ آپؐ یہ سن کر خاموش رہے تھوڑی دیر بعد دوسرا شخص گزرا تو اس کے متعلق آپ کے دریافت فرمانے پر اس نے عرض کیا

کہ یہ مِنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ ہے (یعنی مسلمانوں کے فقراء میں سے ہے) اگر یہ رشتہ مانگے، تو کوئی دینے کو تیار نہ ہوگا۔ سفارش کرے تو قبول نہ ہوگی۔ بات کہے تو کوئی نہ سنے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ اگر ساری زمین پہلے شخص کی مانند لوگوں سے بھری ہوئی ہو تو یہ ایک شخص ان سب سے بہتر ہے۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بعض اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں جو پبلک پلیٹ فارم پر آکر اصلاحِ خلق اللہ کا کام نہیں کرتے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرتا ہے۔ وہ بظاہر اس طرح رہتے ہیں کہ دنیادار ان کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کریں۔ لیکن وہ گدڑی میں لعل ہوتے ہیں۔ اگر اس قسم کے اللہ والے لاہور میں نہ ہوں تو کوئٹہ کی طرح لاہور ایک منٹ سے پہلے پہلے غرق ہو جائے چونکہ یہاں کوئٹہ سے زیادہ آبادی ہے۔ اس لیے گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکے

رہتے ہیں۔ کفارِ مکہ کہتے تھے : پ۹ رکوع ۱۸

قولہ تعالیٰ: اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَالْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ
ترجمہ: اگر یہ (قرآن) ٹھیک تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ
ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز عذاب نہ کرے گا۔ جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔

ہم آج اس دور میں سے گزر رہے ہیں۔ جس کی ہر بات اُلٹی ہے اور جس کے متعلق بھگت کبیر نے کہا ہے :

رنگی کو نارنگی کہیں دُودھ کڑھے کو کھویا
چلتی ہُوئی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

ہماری اکثریت کی عقل ماری گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے زیج کے طور پر رکھے ہُوئے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہی وجہ ہے کہ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ اندھوں کا جہان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اندھے سارے بینا کوئی۔

آپ کہتے ہیں بینا سارے اور اندھا کوئی۔

قولہ تعالیٰ: فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ط	ترجمہ: پس بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

ہماری اکثریت چونکہ رشوت۔ شراب۔ زنا وغیرہ روحانی امراض کے باعث مسخ ہو چکی ہے۔ اس لیے ان باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ احمق ہیں۔ عقلمند وہ ہے۔ جس کی نگاہ دُور رس ہو۔ احمق نفع عاجل کو دیکھتا ہے۔ جیسے چور۔ اس نے حلوائی کی دکان سے رات کو مٹھائی کا تھال چُرایا۔ صبح پولیس تفتیش کے لئے آئی اور کھوج لگا کر چور کو گرفتار کر لیا۔ مٹھائی تو ہضم ہو گئی مگر تھال پکڑا گیا۔ ؎

خبر دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

مقدمہ چلا اور دو سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔
یہ حماقت ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور عقلاء کی ڈگریاں قبر سے ورے ورے کارآمد ہیں۔ اس کے بعد سب اندھے ہیں۔ دل میں ایمان ہو اور قرآن کے نور کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں ڈالا جائے تو نظر قبر حشر بلکہ اس کے بعد جنت اور دوزخ پر ہوگی پھر یقین ہوتا ہے کہ اگر گناہ کیا تو قبر جہنم کا گڑھا بن جائے گی۔ حضورؐ کے دروازے سے دھکے ملیں گے۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ۚ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ ۚ

اللہ تعالیٰ بھی سچے اور حضورؐ بھی سچے۔

عقل فقط حضورؐ کے سر مبارک میں تھی جس کا آپؐ کے سینۂ اطہر سے جتنا تعلق ہوگا اس کو اتنی ہی عقل ہوگی۔ آپؐ کے بعد عقل فقط اللہ والوں کو ہوتی ہے۔ تمہارے سلاطین۔ امراء۔ وزراء۔ بیرسٹرایٹ لاء

سب احمق ہیں۔ بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ چوروں اور ڈاکوؤں کی زندگی ہے۔ وارنٹ گرفتاری (یعنی موت) آیا تو سب شوخی اور شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ان کے مقابلہ میں حضورؐ کے دروازے کا غلام ہے۔ جس کی جوتی ٹوٹی ہوئی ہے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ وہ عقل مند ہے۔

پاگل پاگلوں کو پسند کرتے ہیں۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کو کسی نجومی نے بتلایا کہ فلاں وقت ایک ہوا چلے گی۔ جس کو وہ لگ جائے گی وہ پاگل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے جب اس سے پوچھا کہ اس سے بچنے کی بھی کوئی تدبیر ہے نجومی نے جواب دیا کہ ہاں۔ کسی تہہ خانہ میں جو اس دن چھپ جائے گا وہ بچ جائے گا۔

جب وہ وقت آیا تو بادشاہ اور وزیر تہہ خانہ میں چلے گئے وہ دونوں بچ گئے۔ باقی سب رعایا پاگل ہو گئی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور ننگے ہو کر ناچنے لگے۔ جب بادشاہ اور وزیر کو کپڑے پہنے ہوئے

دیکھیں تو ان کا مذاق اڑائیں اور ان کو پاگل بتائیں
چند یوم کے بعد وہ دونوں تنگ آ گئے انہوں نے
نجومی سے پھر دریافت کیا۔ کہ اب کوئی ایسی تدبیر
بتلاؤ کہ ہم بھی پاگل ہو جائیں اس نے کہا۔ کہ اس
دن کا مٹکے میں بچا ہوا پانی ہو تو پی لیجئے۔ چنانچہ
انہوں نے پانی پیا اور پاگل ہو گئے۔ اب جب وہ
ان کے ہم رنگ ہو کر پاگلوں میں گئے۔ تو سب
کہنے لگے۔ بادشاہ سلامت آ گئے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز

ہم میں سے جو پاگل ہیں وہ اپنے جیسے پاگلوں
کو ہی پسند کرتے ہیں۔ وہ کسی عالمِ دین، حافظِ
قرآن یا اللہ کے نیک بندے کو کوئی عہدہ دینے
کے لیے تیار نہیں۔

اللہ تعالےٰ اور حضورؐ کے ارشادات میں پیش
کر چکا ہوں کہ قال سے زیادہ اصلاحِ حال ضروری
ہے۔ اب اللہ والوں کے ارشادات بھی سن لیجئے

؎ قال را بگذار و بنگر سوئے حال
بر اشہد تو خندہ زند اسہد بلالؓ

فرماتے ہیں قال کو چھوڑ کر حال کی فکر کرو۔ اگرچہ تو تلفظ کے لحاظ سے اشہد ان لا الٰہ الّا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ کہتا ہے اور حضرت بلالؓ اَشہَدُ کی بجائے اَسہَدُ ہی کہتے تھے لیکن توحید اور عشق نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح ان کے اندر زیادہ تھی۔ اس لیے ان کا اَسہَدُ تیرے اَشہَدُ سے اچھا تھا۔

ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کامل پامال شو

یعنی قال کو چھوڑ کر صاحب حال ہو جا۔ یہ تب ہو سکے گا جب تو کسی کامل کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کر کے بیٹھے گا۔

حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ خدا کی ذات ہی انسان کی مطلوب، محبوب اور

مقصود ہو جائے ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط

ترجمہ: اور ایمان داروں کو اللہ سے شدید ترین محبت ہوتی ہے۔

اَشَدُّ اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہے۔ اس سے آگے محبت کا کوئی درجہ نہیں ہے

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ضروری سمجھا جائے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ آپ سے عشق کے درجہ کی محبت ہو۔

حدیث شریف: عَنْ اَنَسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رض سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اَشَدُّ کی طرح یہاں بھی اَحَبُّ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یہ اصلاحِ حال ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا ہر حال میں مطلوب۔ محبوب اور مقصود ہو جائے۔

۵۔ آپس میں محبت اللہ واسطے ہو۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

حدیث شریف: عَنْ مَعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰے وَجَبَتْ مُحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ ؕ

(رواہ مالک)

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ آپس میں میری رضامندی اور خوشنودی کے لئے محبت کرتے ہیں۔ ان سے مجھ کو محبت کرنا ضروری ہے اور جو لوگ محض میری رضا کے لیے باہم بیٹھتے ہیں اور میری تعریف کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ان سے بھی مجھ کو محبت کرنا واجب ہے

اپنا امتحان خود لیا کیجئے کہ بیوی پیاری ہے۔ یا خدا۔ اولاد زیادہ محبوب ہے یا خدا۔ افسر کا ڈر زیادہ ہے یا خدا کا۔ اگر اصلاحِ حال ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کے مقابلے میں کسی چیز کی بھی پرواہ نہ ہوگی۔

اب اس آئینہ کو لے کر اسکولوں، کالجوں، دفاتر اور عدالتوں میں چلے جائیے اور دیکھئے کہ مسلمان کی کیا حالت ہے۔ کوچ اور صوفہ سیٹ پیارے، بیوی پیاری، زنا اور شراب زیادہ پیارے ہیں۔ اللہ اور حضورؐ کے حکم کی پرواہ ہی نہیں۔ اپنی یہ حالت ہے اور ان کے نزدیک حاملینِ دین یعنی علمائے کرام بے ایمان ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما۔ آمین! ہر چیز کی ایک منڈی ہوتی ہے۔ ہدایت کی منڈیاں مساجد ہیں۔ یہ بدبخت مسجد میں آنے اور ٹوٹی چٹائیوں پر سر بسجود ہونے کو اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اگر مسجد میں آنا ان کی کسرِ شان ہے تو اللہ

والوں کے جوتے کی کسر شان ہے ان کی کوٹھیوں پر جانا ۔ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر، بئس الفقیر علیٰ باب الامیر۔ تمہیں ہدایت کوٹھیوں میں نصیب نہ ہوگی ۔ دروازۂ الٰہی پر آؤ گے تو ہدایت نصیب ہوگی تمہاری دروازۂ الٰہی پر آنے سے عزت بڑھے گی اللہ والوں کی تمہاری کوٹھیوں پر جانے سے بے عزتی ہوگی اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اصلاح حال کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !

---

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

عقل (دماغ)، قلب (دل)، جوارح (اعضا)

اللہ تعالیٰ جو کچھ مجھ سے آپ کی خدمت میں کہلواتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا اللہ العالمین ؕ میں جو کچھ عرض کیا کرتا ہوں اپنی ذمہ داری کو محسوس

کر کے عرض کیا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو صحیح علم آتا ہے وہ سب سے پہلے انسان کی عقل میں آتا ہے۔ علمِ الٰہی کا انسان کی عقل میں آنا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس سے انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی اکثریت کو یہ نعمت نصیب نہیں اکثریت بدقسمت ہے۔ ان کی عقل ٹھوکریں کھاتی ہے ان میں سے کسی کی زندگی کا مقصد ہے جائدادیں بنانا کسی کا روپیہ جمع کرنا۔ کسی کا گریڈ بڑھانا۔ کسی کا زیادہ سے زیادہ رقبۂ زمین پر قبضہ جمانا۔ کسی کا الیکشن لڑنا اور بڑا آدمی بننا۔ دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ اس کے لیے کیا کریں۔ کس سے کہیں۔ اور اس راستہ میں جو مشکلات ہیں ان کو کس طرح حل کیا جائے۔ شیطان نے سیدھے راستے سے ہٹا دیا ہے مرنے کے بعد جب قبر میں جائیں گے تو آنکھیں کھلیں گی

دو نقطوں کے درمیان خطِ مستقیم ایک ہی ہوتا ہے۔ صراطِ مستقیم بھی ایک ہے جو ہے دروازۂ محمدی

سے گزار کر سیدھا دربارِ الٰہی میں لے جاتا ہے اس کے لیے ہمیں اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ کی دُعا سکھلائی گئی ہے۔ ٹیڑھے راستے بے شمار ہیں۔ روپیہ جمع کرنا۔ الیکشن میں روپیہ برباد کرنا وغیرہ سب ٹیڑھے راستے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے علم کا مجموعہ قرآن ہے۔ یہی ہدایت کا راستہ ہے اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُستَقِیماً فَاتَّبِعُوہُ۔ اکثریت کو اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ نہ مردوں کو اور نہ عورتوں کو۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اگر ضرورت محسوس ہو تو اس علمِ الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ڈاکٹر کسی مریض سے کہے کہ تیرا چہرہ بے رونق ہے تیرے جسم میں خون نہیں ہے۔ تو یہ گالی نہیں بلکہ اس کی مریض پر شفقت ہے۔ میں اکثریت کو بدقسمت غصہ سے نہیں کہتا۔ اس خیال سے کہہ رہا ہوں۔ کہ شاید ان کو اللہ تعالیٰ سمجھ دے دیں اور یہ خوش قسمت ہو جائیں۔ اب تک ان کی عقل میں نہیں

آیا کہ قرآن ضروری ہے۔ بیوی بیمار ہو تو اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ بے پردہ علیحدہ کمرہ میں اس کو دیکھتا ہے۔ بیماری کا احساس ہے، تو سب کچھ برداشت کرتے ہیں قرآن کی ضرورت ہی نہیں اس لیے اس کا علم حاصل نہیں کرتے۔

علمِ الٰہی پہلے عقل میں آتا ہے۔ پھر دل میں اترتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

حدیث شریف: اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ

ترجمہ: بے شک انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار اور وہ دل ہے۔

دل ٹھیک ہے تو سب اعضا ٹھیک۔ دل بادشاہ ہے اور سب اعضا اس کی فوج ہیں۔ دل حاکم ہے

سب اعضا اس کے تابع ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قولہ تعالیٰ: وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ ط

ترجمہ: بے شک اللہ تعالےٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے جدھر دل پھیرے گا سارے اعضاء ادھر ہی پھر جائیں گے۔

نمبر اوّل: بدقسمت لوگ وہ ہیں جن کی عقل میں قرآن نہیں آیا۔ نمبر دوم بدقسمت وہ لوگ ہیں جن کی عقل میں سب کچھ ہے لیکن قلب میں نہیں اترا۔ بی اے یا ایم اے تک عربی پڑھ چکے ہیں۔ ریسرچ کرنے اور ایک رسالہ لکھنے کے بعد یونی ورسٹی ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر ہو گئے۔ نوکر ہوئے تو بڑی بڑی تنخواہیں پانے لگے۔ یا بیرسٹر ہیں اور ہزاروں روپیہ ماہوار کماتے

ہیں۔ لیکن سہ

نہ صورت نہ سیرت نہ خال و نہ خط
بمحبوب نامش نہادند غلط

قبر میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کی کوئی قیمت نہیں۔ نمبر اول اللہ کا فضل یہ ہے کہ قرآن عقل میں آئے۔ نمبر دوم فضل یہ ہے کہ دل میں آئے۔ نمبر سوم فضل یہ ہے کہ اعضا میں بھی آئے۔ میں ہمیشہ آپ سے کہا کرتا ہوں کہ ؎

بے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

اس کے متعلق آج میں شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی سلمہ اللہ تعالیٰ حضرت الیسع علیہ السلام کی تاریخ لکھتے ہوئے اپنی کتاب قصص القرآن جلد دوم صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اوائل عمر میں ان ہی کی رفاقت میں رہتے تھے۔ اور ان کے انتقال کے

بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے حضرت الیسعؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہوں نے حضرت الیاسؑ کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی۔" چند سطور کے بعد حضرت مولانا فرماتے ہیں۔ اور یہ چیز قابلِ غور ہے:۔

موعظت بنی اسرائیل کے ان نبیوں اور پیغمبروں کے واقعات سے جو کہ جلیل القدر انبیاؑ علیہم السلام کے شرفِ صحبت اور مخلصانہ اتباع میں خلافت کے بعد منصب نبوت سے سرفراز ہوئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحبتِ نیکاں حصولِ خیر کے لیے اکسیرِ اعظم ہے۔ رومیؒ نے سچ کہا ہے ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

"اگر ریاضات اور طاعات کا سلسلہ ہزاروں سال بھی رہے مگر کسی کامل کی صحبت سے محرومی ہو تو بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی خامی ہے جس کا مداوا صحبتِ کامل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

اس لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر ایک
شخص اپنے طور پر کتنی ہی ریاضت کرے مگر کامل
کی صحبت اس کو نصیب نہیں تو زیادہ فائدہ نہ
ہوگا۔ ایک شخص کامل سے کچھ سبق پوچھ جائے
اور گھر جا کر اس کو خوب پکائے۔ پک جانے پر دو
سال بعد پھر آئے تو اس کو وہ فائدہ حاصل نہ ہوگا
جو اس شخص کو حاصل ہوگا۔ جس نے مدتِ مدید تک
شیخ کی ہر نقل و حرکت کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس
کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا ارشاد میں نے اپنے رسالہ "پیر اور مرید کے فرائض"
میں نقل کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اپنے "القول
الجمیل" میں فرماتے ہیں۔ کہ پانچویں شرط مرشد کے
لیے یہ ہے کہ مدتِ مدید بڑے بڑے کاملوں کی
صحبت میں گزاری ہو۔ عرصۂ دراز تک ان کی صحبت
میں ادب سیکھا ہو۔ ان سے انوار حاصل کیے ہوں۔
اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو تینوں درجے عطا
فرمائے۔ قرآن عقل میں آجائے۔ دل میں بھی اتر جائے

اور اعضا پر اثر ہو۔ اس کے لیے صحبت کی ضرورت ہے۔ آپ درسِ قرآن میں آتے ہیں۔ قرآن سنتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے سمجھ بھی دے دی، اور عمل کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ جو نہیں آتے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے دین کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں بلکہ محض ڈھکوسلوں پر ہے کچھ سُنی سنائی باتوں کو انھوں نے اسلام کا نام دے رکھا ہے۔ آپ کے گھروں اور برادری میں ایسے لوگ ملیں گے جن کو کتاب و سنت کا صحیح علم ہی نہیں ہے۔ عقل میں دین ہے لیکن قلب میں نہیں اُترا بعض ایسے بھی ہیں کہ دل تک دین الٰہی جس کا منبع قرآن اور عملی نمونہ سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ و السلام کا رنگ پہنچا ہے لیکن اعضا میں نہیں آیا عقل میں علمِ الٰہی آئے تو صحبت سے دل اور اعضا میں اترتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتے ہیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط

جن حضرات کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کو اللہ کی رضا ہی مطلوب، محبوب اور مقصود ہوتی ہے۔ حکم دیتے ہیں کہ ان سے نظر نہ ہٹنے پاتے۔ اسی لیے میں آپ سے کہا کرتا ہوں کہ روٹی کمانے کے لیے جہاں آپ کا دل چاہیے جائیے دفتر ہو۔ دکان ہو یا کارخانہ۔ لیکن شام کو فارغ ہو کر جب گھر آئیں تو بازار یا بیٹھک میں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اگر کوئی اللہ اللہ کرنے والی جماعت ہو تو ان میں بیٹھیئے۔ اگر ایسی جماعت نہ ملے تو کسی ایسے فرد کی صحبت میں خاموشی سے بیٹھیے۔ اگر کوئی فائدہ نہ ہوگا تو نقصان سے تو بچ جائیں گے۔ اگر کوئی فرد بھی نہ ملے تو گھر میں تنہا بیٹھیے۔ فضول باتوں سے کیا فائدہ؟ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ بیٹھکوں میں DISCUSS کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کی رائے سے ہی سیاست کی گتھی حل ہوگی۔

آپ کے بیوی بچے غلط راستے پر جا رہے ہیں ان کو صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنا آپ کے ذمہ فرض

ہے یا تو ان کو خود قرآن پڑھائیے۔ یا کسی عالم قرآن کو ان کے پاس لے جائیے۔ یا ان کو کسی عالمِ قران کے پاس لائیے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو ہدایت عطا فرمائے آمین ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

---

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء

عزّت

عرض یہ ہے کہ میں ہر جمعرات کو بطور سبق اپنے ان احباب کی خدمت میں خاص طور پر کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں جن کا تعلق سلسلہ راشدیہ قادریہ سے ہے۔ وہ حضرات وقت نکال کر دور دور سے تشریف لاتے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے

کچھ عرض کروں۔ دوسرے احباب بھی تشریف لاتے ہیں
ع چشمِ ما روشن دلِ ما شاد

میرا دل تو چاہتا ہے کہ سب مسلمان آئیں میں جو کچھ عرض کیا کرتا ہوں کتاب و سنت کی روشنی میں عرض کیا کرتا ہوں۔ ان سے باہر نہیں جاتا اگر سب مسلمان میری معروضات کو سنیں۔ دل میں جگہ دیں اور عمل میں لائیں تو مجھے اللہ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ ان کی دنیا کی زندگی سنور جائے گی۔ مرنے کے بعد قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ بن جائے گی۔ حشر کے دن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

امیر ہو یا غریب۔ ہر شخص عزت کا خواہاں ہے۔ عزت کی دو قسمیں ہیں (۱) کھری یا سچی عزت (اصلی)، (۲) کھوٹی یا جھوٹی عزت (نقلی)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

قولہ تعالیٰ: وَمِن كُلِّ شَيْءٍ ترجمہ: ہم نے ہر چیز کے جوڑے

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ط بنائے ہیں ۔

کھری عزت وہ ہے۔ جو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہو۔ جو عزت نیچے سے ملے وہ کھوٹی ہے کھری نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :

قولہ تعالیٰ : اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۰ (سورۃ النساء ع ۲۰، پ ۵)	ترجمہ : کیا وہ (منافقین) ان (کفار) کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں پس بے شک ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔

منافقین چاہتے تھے کہ یہود کے ساتھ دوستی رکھیں گے تو عزت پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تردید فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں جس سے آپ ناراض اس سے اللہ ناراض ہے۔ یہود آپ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہوئے۔ جو لوگ اللہ اور رسول اللہ کے ساتھ دشمنی رکھیں۔ ان کو عزت کس طرح مل سکتی ہے۔ عزت ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اِسی

کے ہاں سے مل سکتی ہے۔ دشمنانِ خدا کے ہاں سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ سورۃ النساء رکوع ۲۱ پارہ ۵ میں منافقین کی حالت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

قولہ تعالیٰ: مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

ترجمہ: وہ دونوں کے درمیان تذبذب میں ہیں۔ نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف، منافقین گومگو حالت میں ہیں

قولہ تعالیٰ: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(سورۃ آل عمران ع ۳ پ ۳)

ترجمہ: تو کہہ اے اللہ! تو سلطنت کا مالک ہے تو جس کو چاہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے اور جس کو چاہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ (قبضہ) میں ہے سب خوبی۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں ہمیں یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے کہ عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ حقیقت میں وہی عزت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آئے وہ صورت میں عزت ہوگی لیکن حقیقت میں ذلت ہوگی۔ جو شخص محلہ یا گاؤں یا بستی میں زور آور ہو۔ یا مال و دولت کا مالک ہو اور ہر ایک پر بے جا تشدد اور ظلم کرے تو لوگ ایسے شخص کی عزت بھی کرتے ہیں مگر یہ بناوٹی عزت ہوگی۔ دل میں نفرت ہوگی۔ ہر سرکاری عہدہ دار اور افسر کو لوگ سلام کرتے ہیں کیا وہ دل میں اس کی عزت رکھ کر سلام کرتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ وہ سلام ایک منافقانہ اعزاز ہوتا ہے بڑا زمیندار ہو یا سیٹھ۔ سب میں یہی قدر مشترک ہوگی ان کی عزت اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اس واسطے کھوٹی ہوتی ہے ❖

عزت خدا کے ہاں سے کن کن کو نصیب ہوتی ہے

قولہ تعالیٰ: یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ

ترجمہ: وہ (منافقین) کہتے ہیں۔ اگر ہم مدینہ واپس ہوتے تو اس (مدینہ) میں سب سے معزز شخص سب سے

مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ (سورۃ منافقون ع ۱ پ ۲۸)

ذلیل کو ضرور ضرور نکال دے گا۔ اور عزت اللہ اس کے رسولؐ اور مومنوں کے لیے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔

اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے۔ ایک دفعہ مدینہ سے باہر کسی سفر کے موقعہ پر انصار اور مہاجرین میں تیز کلامی ہوئی۔ دو برتن بھی ہر وقت پاس رہیں۔ تو کبھی نہ کبھی ٹکرا جاتے ہیں۔ وہاں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی موجود تھا۔ وہ بے ایمان اپنے آپ کو سب سے معزز شخص کہتا ہے اور حضورؐ اور صحابہ کرام رضؓ کو سب سے ذلیل بتاتا ہے۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ الۡكُفۡرِ وَالطُّغۡيَانِ ؕ اس کی اس بیہودہ گوئی کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ملا؟ کہ:۔

عزت نمبر اوّل اللہ تعالیٰ کے لیے ہے نمبر دوئم رسولؐ اللہ کے لیے اور نمبر سوئم مومنوں کے لیے ہے مومن دولت مند ہو یا غریب۔ ہر ایک کی اللہ کی بارگاہ میں عزت ہے مومن کس کو کہتے ہیں؟ جو اللہ کی ہر

بات دل سے مانتا ہے۔ خواہ دولت مند ہو یا غریب سوکھے ٹکڑے کھانے والے۔ فرشِ زمین پر سونے والے۔ پھٹی ہوئی گودڑی اوڑھنے والے۔ چھپر کے نیچے سونے والے کی جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ دل سے پڑھتا ہے۔ اس کی بارگاہِ الٰہی میں عزت ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مخلوق اور اللہ کو اپنا خالق تسلیم کرتا ہے۔ وہ جلبِ نفع کے لیے اور دفعِ ضرر کے لیے خدا ہی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ وہ ماسوا اللہ سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ اسی کو اپنا معبود اور حاجت روا مانتا ہے۔ وہ مومن جس کی ظاہری اقتصادی حالت یہ ہے اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ہے لیکن اگر دل میں ایمان نہیں تو بادشاہ کی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت نہیں۔ اسلام میں شہنشاہ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ ہمارے ہاں بادشاہ کے لیے امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کا لقب ہے۔ بادشاہ مومن نہیں تو اس کے تاج پر خدا کی لعنت

ہے۔ ایک غریب مومن کی گودڑی پر خدا کی رحمت ہے۔ اس کے محل پر خدا کی لعنت۔ اس کے چھپّر پر رحمت۔ اس کے سونے کے پلنگ پر لعنت۔ اس کی چٹائی پر رحمت۔ جس سے خدا راضی ہوتا ہے۔ اس پر اس کی رحمت ہوتی ہے جس سے وہ ناراض ہو اس پر لعنت ہوتی ہے۔ اس کی رضا اور ناراضگی ایمان اور بے ایمانی پر مبنی ہوتی ہے چوں کہ اس کے اندر ایمان نہیں اس لئے ملعون ہے اصل میں ملعون بادشاہ ہے اس کی وجہ سے اس کے مرصع تاج اور دو کروڑ روپے کے محل پر لعنت ہے۔ غریب مومن چونکہ ایمان کی وجہ سے خود مرحوم ہے اس لئے اس کی ہر چیز پر رحمت ہے۔ اگر کسی جگہ ڈیڑھ من ہینگ رکھ دی جائے تو اس کی بو وہاں ہر چیز میں ہوگی۔ اسی طرح بادشاہ کی ڈیڑھ من لاش پر چونکہ لعنت ہے اس لیے جس چیز کا اس سے تعلق ہوگا اس میں لعنت کا اثر آئے گا دولت، زیور۔ کوٹھی، موٹر ہو یا نہ ہو۔ اگر اندر ایمان ہے تو اللہ کی رحمت اس پر نازل ہوگی۔ میں مدلل طریقہ سے

ثابت کر چکا ہوں کہ غریب مومن مرحوم اور بے ایمان
بادشاہ ملعون ہوگا۔ اس ملعون کی وجہ سے در و دیوار
پر بھی لعنت پڑتی ہے ورنہ محل نے کیا بگاڑا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

حدیث شریف: اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ ط

ترجمہ: دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے سب پر (خدا کی) لعنت ہے مگر اللہ کا ذکر اور جس چیز کا اس ذکر سے تعلق ہے (وہ اس لعنت سے مستثنیٰ ہے)

اس حدیث شریف میں غور کرنے سے میری
ساری معروضات سمجھ میں آ جائیں گی۔ صوفیاء کرام کی
تربیت میں اسی لیے ذکرِ قلبی کی تلقین کی جاتی ہے۔
اللہ تعالیٰ بھی ذکرِ قلبی کا ذکر فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا ط

ترجمہ: اور اس کی بات نہ مانیے۔ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر رکھا ہے۔

اگر دل ذاکر ہے تو اس کا اثر اس کے اوپر جو

ہڈیاں، پسلیاں، گوشت اور پوست ہے، ان پر بھی ہوگا۔ گوشت کے اوپر پیراہن۔ پیراہن کے اوپر صدری۔ صدری کے اوپر ہاف کوٹ۔ ہاف کوٹ کے اوپر اوورکوٹ۔ یہ چیزیں پہناوے میں شامل ہیں حالانکہ جسم پہ صرف کرتا ہے۔ اسی طرح ادھر بچھونے سر پر چھت اور نیچے چارپائی۔ کھانے پینے کے برتن ہر چیز کا انسان کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر انسان کا دل ذاکر ہے۔ تو ہر چیز پر ذکرِ الٰہی کی وجہ سے رحمت نازل ہوگی۔ دل ذاکر ہو تو اللہ کے ہاں عزت ملتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ محل یا چھپر میں سوتا ہے اگر دل ذاکر نہیں تو سب پر لعنت نازل ہوگی جس کوٹھی میں خدا کا نام نہیں ہے اس میں رہنے والے اگر میاں صاحب، بیگم صاحبہ اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی کلمہ نہیں آتا اور دل میں ایمان نہیں تو اس کوٹھی اور اس کے اندر رہنے والے سب پر لعنت برستی ہوگی۔ لاہور میں ایسے بدقسمت سینکڑوں نہیں۔ ہزاروں مسلمان ہیں۔ خدا نے گنگارام اور خوشحال

سنگھ کی طرح سب کچھ دے رکھا ہے۔ ان میں اور
ایک ہندو یا سکھ میں کوئی فرق نہیں۔ جب مریں
گے تو کوٹھی کو چین آ جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ان بدقسمتوں کے متعلق ارشاد ہے:

حدیث شریف: یَسْتَرِیْحُ مِنْہُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ ؕ

ترجمہ: اس سے راحت پائیں گے (اللہ کے) بندے اور شہر درخت اور حیوان۔

میں آپ سے ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ انسان کو
فقط خوفِ خدا انسان بناتا ہے۔ اگر انسان کے
دل میں خوفِ خدا نہ ہو تو اس سے بڑھ کر کمینہ
بے حیا اور موذی درندہ خدا نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا
شیر اپنے ہم جنس شیر کو نہیں پھاڑتا مگر جب خوفِ
خدا نہ ہو تو یہ موذی انسان دو ایٹم بم سے دو ڈھائی
لاکھ انسانوں کو اڑا دیتا ہے۔

میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ امیر سے مت ڈریے
اس کو اپنی دولت۔ پارٹی اور ذاتی اثر و رسوخ پہ ناز
ہوتا ہے۔ وہ غیر کے دروازے پر جاتا ہے وہ پولیس

اور عدالت میں جائے گا۔ اس کا آپ مقابلہ کر سکیں گے۔ غریب سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ اگر اس کو آپ نے ستایا تو وہ غیر کے دروازہ پر نہیں جائے گا۔ وہ بارگاہ الٰہی میں فریاد کرے گا۔ دو آنسو بہا کر خاموش ہو جائے گا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اس کے دو آنسو ظالم کی بربادی کے لیے کافی ہیں۔ میرے پاس ایک دفعہ ایک پولیس انسپکٹر آیا بڑا قوی ہیکل اور چھ فٹ قد کا تھا۔ سر فضل حسین، سر محمد شفیع اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تحریریں اس نے مجھے دکھائیں کہ یہ واقعی امداد کا مستحق ہے۔ میں نے جب اس سے کہا کہ اس وقت دفتر بھی بند ہے اور کوئی بھی موجود نہیں تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ دار الحفاظ کے بچوں سے ہی پیسہ پیسہ جمع کر کے مجھے دے دیجئے دیکھا آپ نے کہ کسی غریب کی آہوں نے اس کو کہاں تک پہنچا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد
کے متعلق عرض یہ ہے کہ گلی کوچوں کو بھی احساس
ہوتا ہے کہ کون نیک ہے اور کون بد ہے۔ زمین
کو بھی احساس ہوتا ہے۔ دوسرا ارشادِ نبوی ہے کہ
نیک آدمی جب قبر میں جاتا ہے تو زمین اس
سے کہتی ہے کہ میری پیٹھ پر جتنے آدمی چلتے پھرتے
تھے تو مجھے بہت زیادہ پیارا تھا۔ آج دیکھو میں تم سے
کیا سلوک کرتی ہوں اس کے بعد زمین مدّ بصر یعنی حدِ
نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ زمین کو بھی
احساس ہے۔ کوٹھی میں جو درخت ہے اس کو بھی محسوس
ہوتا ہے کہ کوٹھی کے رہنے والے کی بے ایمانی اور بد دیانتی
کے باعث مجھ پر لعنت پڑ رہی ہے۔ وہ اکتا جاتا ہے
کہ یہ میاں صاحب اور بیگم صاحبہ کب مرتے ہیں۔ دواب
میں گھوڑا، بھینس سب آ جاتے ہیں۔ ان کو بھی احساس
ہوتا ہے کیا یہ ان کی عزت ہے۔ کہ جب مرتے
ہیں تو سب شکر کرتے ہیں۔ کیوں؟ زبان پر خدا کا نام
نہیں دل میں ایمان نہیں اور اتباعِ شریعت نہیں، جو

حال گنگا رام اور خوشحال سنگھ کا ہے وہی محمد دین کا ہے۔ سب کے مرنے پر یہ چیزیں چھن پائیں گی۔

حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عزت کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اس کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یعنی پہلے ایمان دار بنائے اور پھر کھری عزت عطا فرمائے۔ آمین! اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو ایسی مجالس میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائے جہاں ذکرِ الٰہی ہوتا ہو۔ آمین! دنیاداروں کو ان باتوں کا احساس نہیں۔ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلایا ہے:۔

قولہ تعالیٰ: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط

ترجمہ: کہہ دیجئے (اے محمدؐ) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میرا اتباع کرو کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اتباعِ نبویؐ میں ہی دنیا کا چین اور آخرت کی نجات ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ

۶ر جمادی الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۵ء

نیکوں کی دوستی

شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمے کے حاشیہ میں ایک عجیب چیز لکھی ہے۔ وہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بہترین ہے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کچھ اصلاح فرمائی ہے۔ اصلاح کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کچھ غلطیاں تھیں وہ انہوں نے درست فرمائی ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی اردو بہت پرانی ہے۔ اس میں بعض متروک الاستعمال الفاظ کو شیخ الہندؒ نے نکال دیا ہے۔ ۵/۶ حصہ شاہصاحب کا ہی ترجمہ لیا صرف ۱/۶ حصہ میں تبدیلی فرمائی ہے۔ شیخ الہند کے دل میں شاہ صاحب کا اتنا ادب تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قرآن اردو میں نازل ہوتا تو شاہ صاحبؒ کی زبان میں نازل ہوتا۔ شاہصاحب کا

کمال یہ ہے کہ عربی محاورات کے مقابلہ میں اُردو کے وہ محاورات استعمال فرماتے ہیں جن سے مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء پ ع)	ترجمہ: پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر جماعت سے احوال بتانے والا اور بلائیں گے ہم آپ کو ان سب پر احوال بتانے والا۔

اس آیت کے متعلق شاہ صاحبؒ کا حاشیہ ملاحظہ ہو "یعنی ہر امت کے پیغمبر سے اور معتبر نیک بختوں سے بیان کروا دیں گے۔ منکروں کا انکار اور اطاعت والوں کی اطاعت بیان ہوگی"۔

قولہ تعالیٰ: وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا (القصص پ ع)،	ترجمہ: اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا۔

اس کے متعلق فرماتے ہیں "احوال بتانے والا پیغمبر یا ان کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر دور کے انسانوں کا اس دور کے اللہ کے مقبول بندے بطور

گواہ پیش ہوں گے ۔

اگر یہ شبہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ پریشان ہوں گے تو گواہی کیسے دیں گے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے جن پر قیامت کے دن کی پریشانی کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اس کے متعلق پہلے قرآن مجید اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کروں گا۔

قولہ تعالیٰ : لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

(سورۃ الانبیاء ع ۷، پ ۱۷)

ترجمہ : انہیں بڑا بھاری خوف بھی پریشان نہیں کرے گا اور ان سے فرشتے آملیں گے۔ یہی وہ تمہارا دن ہے۔ جس کا وعدہ تمہیں دیا جاتا تھا۔

اس آیت کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں :۔

"یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج و غم سے محفوظ رکھے گا۔

حضورؐ کے ارشادات:

۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ ۰

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ وہ دوست کہاں ہیں جو میری عظمت کے سبب سے ایک دوسرے کے دوست تھے آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دُوں گا۔ جس دن سوائے میرے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہے۔

(رواہ مسلم)

۲- عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَا هُمْ بِاَنْبِیَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ یَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّهَدَآءُ

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہوں گے نہ وہ نبی ہیں نہ وہ شہید ہیں اللہ کی بارگاہ میں ان کے مرتبے کے سبب

يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ
مِنَ اللّٰهِ - قَالُوْا يَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ
قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا
بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ
اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا
اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَ
اللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ
لَنُوْرٌ وَّاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ
لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ
النَّاسُ وَلَا
يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ
النَّاسُ وَقَرَءَ
هٰذِهِ الْاٰيَةَ ط
اَلْاٰيَة - اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

سے انبیاء اور شہداء بھی ان کی
ریس کریں گے انہوں نے عرض
کی۔ یا رسول اللہ! ہمیں خبر دیجئے
وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے
فرمایا۔ وہ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی
محبت کے سبب سے ایک دوسرے
سے محبت رکھتے تھے۔ نہ ان میں
آپس میں رشتہ داری تھی۔ اور نہ
مالوں کا کوئی لین دین تھا۔ پس خدا
کی قسم ہے بے شک ان کے
منہ پر اللہ کے نور ہوں گے۔ وہ
نور کے اوپر ہوں گے۔ وہ نہیں
ڈریں گے۔ جب لوگ ڈریں گے
تو انہیں غم نہیں ہوگا۔ جب لوگ
مغموم ہوں گے۔ اور آپؐ نے
یہ آیت پڑھی۔
(ترجمہ) آیت: بے شک اللہ کے

اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ
لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗد
وَرَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ مِشْکوٰۃ ص ۴۲۶
(۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ
فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا
ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ۔ اِمَامٌ
عَادِلٌ وَّشَابٌّ
نَشَاَ فِیْ عِبَادَۃِ
اللّٰہِ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ
مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ
اِذَا خَرَجَ مِنْہُ
حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ وَ
رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی
اللّٰہِ اِجْتَمَعَا عَلَیْہِ

دوست (وہ ہیں) جن کو نہ خوف
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
۳ (ترجمہ) ابوہریرہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن
کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سایہ
میں رکھے گا۔ جس روز کہ خدا
کے سائے کے سوا کوئی سایہ
نہ ہوگا (۱) امام عادل (۲) وہ جوان
جو اپنی جوانی کو خدا کی عبادت
میں صرف کرے (۳) وہ شخص
جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے۔
جب وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے
تو جب تک مسجد میں واپس نہ آ
جائے بے چین رہتا ہے (۴)
وہ شخص جو خدا کے لیے ایک
دوسرے سے محبت کرتے

وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ ص۶۸)

ہوں۔ اکٹھے ہوں تو اس بنا پر، جُدا ہوں تو اس بنا پر (۵) وہ شخص جو یاد کرتا ہے۔ خدا کو تنہا اور اس کی آنکھیں ذکرِ الٰہی سے جاری رہتی ہیں (۶) وہ شخص جس کو ایک شریف النفس اور حسین بلائے۔ پس اس نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص جو خیرات کرتا ہے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو۔ کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے۔ اس کی حفاظت علماء کرام اور صوفیائے عظام کر رہے ہیں۔ علماء قال اور صوفیائے حال کے محافظ ہیں۔ اسی لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی صوفی آسمان پر اڑتا ہوا نظر آئے اور لاکھوں مرید پیچھے لگا کر لاتے اگر اس کا حال

کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ ہے۔ اس کی بیعت کرنا حرام ہے۔ اگر ہو جائے تو توڑنا فرض عین ہے۔ پنجاب میں جو لٹیں بڑھائے اس کو لوگ سائیں یعنی نیک لوگ کہتے ہیں۔ خواہ اندر پورا شیطان ہو۔ آپ نے شیخوپورہ کے ایک پیر کا واقعہ اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ اکثر افسر اس کے معتقد ہو گئے۔ بعد میں جب اغوا کے جرم میں پکڑا گیا۔ تو انہیں افسروں کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ کرنل لارنس پیر کرم شاہ بن کر آیا تو لوگ اس پر لٹو ہو گئے۔

ہم کلمہ گو ہیں۔ اس لیے اللہ سے پوچھیں گے کہ نیک کون ہیں۔ ہمیں قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے:۔

قولہ تعالیٰ: اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ الاعراف ع ۱ پ ۸)

ترجمہ: اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے نمونہ ہیں

قولہ تعالیٰ: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۃ الاحزاب ع ۳ پ ۲۱)

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی (بہترین نمونہ ہے۔

حضورؐ کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شامل فرما دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا (النساء ع ۷ پ ۵)

ترجمہ: اور جو کوئی مخالفت کرے رسولؐ کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم اس کو حوالہ کریں گے وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

..یہاں مومنین سے مراد نمبر اول صحابہ کرام ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ جس کو کوئی کام نہ ملے وہ لنگوٹی کھول کر ننگا ہو جائے اور پاگلوں والی باتیں کرنے لگے تو لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ مجذوب ہے۔ یہ یاد رکھیے۔ کہ

ہر پاگل مجذوب نہیں ہوتا اور نہ ہر مجذوب پاگل ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک وہ ہیں جو حضورؐ اور صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلیں۔ ان سے پوچھیں گے کہ اشاعتِ دین میں کون تمہارے معاون اور کون مخالف تھے۔ اس قسم کے نیک بخت حضورؐ کے بعد ہر دَور میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان نیک بختوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا اللہ العالمین۔ آمین ط

۱۳ر جمادی الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء

محبّت

نجات دہندہ — ہلاک کنندہ

اس جہان کے بعد دوسرا جہان آنے والا ہے قبر اس کی ڈیوڑھی ہے۔ اس کے بعد حشر میں سب مخلوق ایک بہت بڑے وسیع میدان میں جمع ہوگی

اگر کہیں میلہ ہو تو اتنی خلقت جمع ہو جاتی ہے کہ اس میدان میں سما نہیں سکتی۔ تقسیم سے پہلے ساری دنیا میں ستر کروڑ مسلمان اور ساٹھ کروڑ عیسائی تھے۔ یہود۔ ہندو۔ بدھ اور باقی قومیں ان کے علاوہ تھیں۔ ان کی تعداد کا ہمیں علم نہیں۔ ایک دور کی نسلِ انسانی کے لیے بہت وسیع میدان درکار ہوگا۔

اس جہان کا نظام ظاہر پر مبنی ہے۔ مثلاً ایک کافر جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو وہ مسلمان کہلانے لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جو دل سے کافر تھے۔ مگر بظاہر کلمہ پڑھتے تھے وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ ان کو مالِ غنیمت سے حصّہ ملتا تھا۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔

سورۃ المنافقون رکوع ۱ پارہ ۲۸ میں منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا (ترجمہ) یہ اس لیے ہوا۔ کہ وہ منافق ایمان لائے۔ پھر کفر

فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ۝ کیا۔ ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی پس وہ نہیں سمجھتے ہیں۔

عالمِ آخرت کا نظام باطن پر مبنی ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک باطن کے لحاظ سے سلوک ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن منکرین کے وجود چیونٹی کے برابر ہوں گے۔ وہ لاشی بھی نہیں ہوں گے لیکن شی معتدبہ نہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ پ۱) ترجمہ: بے شک کافروں کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے (وہ) ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو نہ شریعت کا پاس ہے نہ ان کے دلوں میں خوفِ خدا اور نہ فکرِ آخرت ہے نہ کوئی غم ہے۔ یہاں تو اچھے کھانے کھا کر اور بے فکری کے باعث خوب موٹے تازے تھے۔ لیکن آخرت میں ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوں گے ان کے مقابلہ میں مؤمنین کے متعلق آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ان کی گردنیں سب سے زیادہ بلند ہوں گی۔ چوں کہ مؤذن دوسروں کو نیکی یعنی نماز کی طرف بُلاتے ہیں اس لیے ان کو اپنی نماز کے علاوہ دُوسرے نمازیوں کی نماز کا بھی اجر ملتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حدیث شریف: اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ

ترجمہ: نیکی کی طرف دلالت کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس نیکی کے کرنے والا ہے۔

اس وجہ سے ان کو قیامت کے دن بلند قامت وجُود عطا ہو گا۔ امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ قیامت کے دن باطن کے لحاظ سے سلوک ہو گا حضورؐ کا ایک ارشاد میں گزشتہ جمعرات عرض کر چکا ہوں کہ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے کہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے مرتبے کے سبب سے انبیاء اور شہداء بھی ان کی رشک کریں گے۔

ہماری آج کی صحبت باطن کی اصلاح کے لیے

ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب اللہ اور حضورؐ کے ہاں سُرخ رُو ہوں۔ باطن کی اصلاح تزکیہ سے ہوتی ہے۔ بعض بے سمجھ تصوف کو بدعت کہتے ہیں۔ تصوف تزکیۂ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔ حضورؐ کے فرائض اربعہ میں سے ایک تزکیۂ نفس بھی ہے فرائض اربعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ؕ (سورۃ الجمعہ ۱ پارہ ۲۸)	ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسُول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کو (امراضِ رُوحانی) سے پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانش مندی کی تعلیم دیتا ہے۔

حضورؐ کی صحبت میں صحابۂ کرام کی باطن کی صفائی ہوتی تھی۔ سورۃ توبہ رکوع ۱۴ پارہ ۱۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ	ترجمہ: بے شک مُشرک

نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ؕ

ناپاک ہیں (اس لیے) وہ آج کے سال کے بعد اس مسجد (خانہ کعبہ) کے قریب نہ آئیں۔

یہاں شرک کو نجاست کہا گیا ہے۔ جو باطنی پلیدی ہے ورنہ بظاہر تو کفارِ مکہ لباسِ فاخرہ پہنتے ہوں گے۔ میں تو ان میں سے نہیں ہوں۔ جن کی صحبت میں تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ یہ تو ان کی مجالس کی نقل ہے۔ سہ

احب الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا"

جن کا باطن سنور جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں۔ اللھم اجعلنا منہم

آج میں محبت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ محبت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) نجات دہندہ (۲) ہلاک کنندہ۔

حُبّ کی ضد ہے بُغض۔ حُبّ اور بُغض دونوں فعلِ قلب ہیں۔ دونوں کا اظہار اعضاءِ ظاہری

سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص جس سے ہمیں محبّت
ہے۔ ہمارے ہاں آتا ہے تو ہم زبان سے اس
کی خدمت میں السلام علیکم عرض کریں گے۔
پاؤں سے اس کے استقبال کے لیے چل کر
جائیں گے۔ غرضیکہ ہر عضو سے دل کی محبّت کا
اظہار ہوگا۔

جو محبّت اللہ کی ذاتِ اقدس سے ہو اور اس
کے تعلق کی بنا پر ہو۔ وہ نجات دہندہ ہے اسی
لیے حضورؐ نے فرمایا:-

حدیث شریف:
مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ
اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی
لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ
اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ط

ترجمہ: جس نے اللہ کے لیے محبّت
رکھی اور اللہ کے لیے دشمنی رکھی
اور اللہ کے لیے بُغض رکھا اور
اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے
دینے سے ہاتھ روک لیا تحقیق
اس نے (اپنا) ایمان مکمل کر
لیا۔

جو اللہ کے ہاں محبوب، وہ ہمارے ہاں بھی

محبوب ہے۔ جو اس کے ہاں مردود ہے وہ ہمارے ہاں بھی مردود۔ سورۃ المجادلہ رکوع ۳ پارہ ۲۸ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس قسم کے بندوں کے متعلق فرماتے ہیں :۔

قولہٗ تعالیٰ : لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ ؕ

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے برخلاف ہیں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ کے ہی لوگ کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے ایمان ثبت کر دیا۔

باپ۔ اولاد۔ بھائی اور برادری سے فطرتاً محبت

ہوتی ہے۔ ان سے محبّت نجات دہندہ ہے۔ بشرطیکہ وُہ شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ محبّت فقط اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیئے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ محبوب کے متعلقات اور اس کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ باقی سب چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنا پر محبت ہونی چاہیئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہمیں اس لیے محبّت ہے کہ آپ رسُول اللہ ہیں۔ قرآن مجید سے اس لیے محبّت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

ذاتی محبت ہلاک کنندہ ہے مثلاً بیوی سے۔اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ	(ترجمہ) اے ایمان والو! بیشک
اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ	تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے
وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ	بعض تمہارے دشمن ہیں سوان
فَاحْذَرُوْھُمْ ؕ	سے بچو)

(سورۃ التغابن رکوع ۲۔ پارہ ۲۸

اگر اللہ کے تعلق کو نظر انداز کر کے بیوی محبوب ہے تو اس کی ہر فرمائش کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ خواہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ یہی چیز زندگی میں گناہ اور مرنے کے بعد موجب عذاب ہو جائے گی۔ اسی لیے اس سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں۔

پہلی قسم کی یعنی نجات دہندہ محبت زینت سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی یعنی ہلاکت کنندہ محبت فطری ہوتی ہے۔ قیامت کے دن پہلی قسم کی محبت کام آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (سورۃ الزخرف ع ۶ پ ۲۵)	ترجمہ: اس دن (قیامت میں) سب دوست (ایک دوسرے کے) دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار۔

اس دن اللہ کے نیک بندوں کی دوستی کام آئے گی۔ باقی سب دوست دشمن ہو جائیں گے۔ بیوی میاں سے، میاں بیوی سے۔ ماں باپ اولاد سے اور اولاد والدین سے بیزار ہو گی۔

قولہ تعالیٰ: یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَ اُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیْہِ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْہِ ؕ (سورۃ عبس رکوع ۱ پارہ ۳۰)	ترجمہ: اس دن (قیامت میں) آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا اس دن ہر ایک اپنی مصیبت میں مبتلا ہوگا۔ اور دوسروں سے بے پرواہ ہوگا۔

وہاں تقویٰ یعنی خدا سے محبت کی بنا پر جو تعلق ہوگا۔ اس کی قدر و قیمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے متعلقات مثلاً رسول اللہ، کتاب اللہ، اللہ کے مقبول بندے۔ ان سے محبت نجات دہندہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ	(ترجمہ) اور جو شخص اللہ کے ذکر (یعنی قرآن) سے رُوگردانی کرتا ہے۔ ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پس وہی اس کا

قَرِیْن (سورۃ الزخرف ع ۴ پ ۲۵)   ساتھی ہوتا ہے۔

اس دن دستِ حسرت مل کر کہیں گے کہ اگر بیوی نہ ہوتی تو ہلاک نہ ہوتے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

حدیث شریف: کُنْ فِی الدُّنْیَا   ترجمہ: دنیا میں اس طرح رہو
کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ   گویا تو مسافر ہے۔

میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ یہ چیز شیخ کامل کی صحبت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر بظاہر انسان سب کے ساتھ ہوتا ہے مگر حقیقت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے دل نہیں لگاتا۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

دلا تو رسم تعلق ز مرغِ آبی جو
اگرچہ غرق بدریا است خشک پر برخاست

اللہ والوں کی محبت کی بنا پر انسان سب سے کٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے انسان ہی سالم دل والے ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: یَوْمَ   (ترجمہ) اس دن (قیامت میں)

لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ نہ مال اور نہ بیٹے نفع دیں گے۔ مگر
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ وہ شخص نفع پائے گا جو سالم دل
سَلِيْمٍ (سورۃ الشعراء ۵ پ ۱۹) اللہ کے ہاں لائے گا۔

سالم دل کے یہ معنی ہیں کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے محبت ہو اور نہ کسی کا ڈر ہو اللہ والوں کا چونکہ یہ حال ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا عکس طالب پر پڑتا ہے۔ جن کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ وہ سطح زمین پر ہوں یا زیرِ زمین ہوں دونوں جگہ خوش رہتے ہیں۔ صحبت میں انسان کی رُوحانی ترقی ہوتی ہے مگر پتہ نہیں لگتا۔ جس طرح ماں بچے کو کھلاتی پلاتی ہے۔ اور ہر آن بڑھتا ہے مگر اس وقت پتہ نہیں چلتا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نجات دہندہ محبت کا مُحِبّ بنائے۔ اور ہلاک کنندہ محبت سے بچائے۔

آمین! یا الٰہ العالمین

بنبنبنبنب

۲۰ جمادی الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۵۶ء

انسان کی رُوحانی تربیت

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو چیزیں رکھی ہیں۔ ایک روح اور دوسرا جسم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں ان کو ملکیّت اور بہیمیّت سے تعبیر فرماتے ہیں دونوں کے مجموعے کا نام انسان ہے۔ درحقیقت انسان رُوح کا نام ہے۔

مرنے کے بعد رُوح نکل جاتی ہے جسم زمین کی پیداوار ہے اور روح آسمان سے آئی ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ چوتھے مہینے ماں کے پیٹ میں جب بچہ کی ساخت مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ دونوں کا رب ہے اس لیے دونوں کی تربیت اس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے

زمین کی ساری چیزیں جسم کی تربیت کے لیے ہیں پہاڑ، دریا۔ درخت۔ حیوانات۔ نباتات؛ معدنیات سب انسان کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ط (سورۃ البقرہ ع ۳ ۔ پ ۱)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) وہ ہے جس نے (اے انسانو) جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے بنایا (یہ انسان کی جسمانی تربیت کا انتظام ہے)۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ ہر ملک کی پیداوار علیحدہ ہوتی ہے۔ پاکستان میں نمک پیدا ہوتا ہے جو ہندوستان میں نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں کیلا پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی کیلا پیدا ہوتا ہے مگر اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا بحیثیت رب العالمین روحانی تربیت بھی اس کے ذمہ عائد ہو جاتی ہے۔ جسمانی تربیت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مگر ماں باپ ان کی ترکیب و تحلیل کرتے

بچہ کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ کوئی چیز کچی اور کوئی پکا کر بچہ کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ ماں باپ کی جسمانی تربیت کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو بچہ پہلے خود کروٹ بھی نہیں بدل سکتا۔ وہ اتنا قوی ہیکل جوان ہو جاتا ہے کہ ڈھائی من کی بوری بآسانی اٹھا سکتا ہے۔ لطیفہ یہی حال روحانی تربیت کا ہے۔ روحانیت کی غذا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو نازل تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ مگر اس کا رنگ چڑھانے والے روحانی مربّی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے پہلے انسان کی روحانی تربیت کے لیے وقتاً فوقتاً ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانویں (۱،۲۳،۹۹۹) انبیا علیہم السلام مبعوث فرمائے اور سابقہ کتب سماوی نازل فرمائیں۔ ان روحانی مربیوں کی بعثت سے پہلے کوئی کافر اور کوئی مشرک ہوتا ہے ان کی تربیت سے انہیں میں سے کوئی صدیقؓ، کوئی فاروقؓ اور کوئی شہید بن جاتا ہے۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد اب روحانی تربیت فقط آپ کی دامن گیری سے ہو

سکتی ہے۔ اس کو سمجھانے کے لیے میں ایک
بڑے پنڈال کی مثال بیان کیا کرتا ہوں جس میں
داخلے کے لیے کئی دروازے ہیں جب پنڈال بھر
جاتا ہے تو سوائے صدر دروازہ کے سب دروازے
بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پنڈال میں داخلہ
کے لیے صرف صدر دروازہ ہی ہو سکتا ہے اسی طرح
جنت میں داخلہ کے لیے بھی کئی دروازے ہیں مثلاً
ایک دروازہ پر نوحؑ داخلہ کا ٹکٹ عطا فرمانے کے
لیے رونق افروز تھے۔ دوسرے پر ابراہیمؑ۔ تیسرے پر
موسیٰؑ اور باقی دروازوں پر دوسرے انبیاء علیہم السلام
صدر دروازہ پر رحمتہ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف
فرما ہیں۔ اب باقی سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔
صرف صدر دروازہ کھلا ہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری
کے بغیر کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔
اگر ایک شخص انبیاء سابقین میں سے کسی کا متبع
ہے مگر حضور صلعم پر تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہیں لاتا
تو وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہ ہوگا۔ بلکہ مردود قرار

پائے گا۔ روحانیت کی غذا فقط قرآن مجید ہے اس
کے نزول کے بعد نجات کے لیے حضور صلعم کی دامنگیری
ضروری ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت ابوذر
غفاریؓ بیشک اسلام لانے سے پہلے بھی نیک تھے
لیکن صحیح راستہ کی طرف حضور صلعم کی دامن گیری کے بعد
ہی رہنمائی ہوئی۔ عشرہ مبشرہ کو جنت کی خوش خبریاں
اور اصحاب بدر کو اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ کے
سرٹیفکیٹ حضورؐ کی دامن گیری کے بعد ہی عطا ہوئے۔
تربیت روحانی نہیں ہو سکتی اِلّا بتعلیم القرآن۔ لَا
اِلٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے بعد قرآن
مجید کو حال بنانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر روحانی
تربیت ناممکن ہے۔ ہندوؤں کے سادھو بہت
ریاضتیں کرتے ہیں۔ کوئی جسم پر بھبوت مل کر بیٹھتا
ہے۔ کوئی ہاتھوں کو اوپر کرکے ان کو سکھا لیتا
ہے۔ لیکن اہل اللہ کو نظر آتا ہے۔ کہ ان کے
سینوں میں نور نہیں ہے گویا کہ ساری عمر برباد ہوئی۔
نہ دنیا ملی اور نہ آخرت ہاتھ آئی۔ سینہ میں نُور۔ قرآن

کی تعلیم اور حضورؐ کی دامن گیری سے آتا ہے۔ بعض ہندو قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں۔ پنڈت رام چند دہلوی اعلیٰ درجہ کا قاری تھا۔ وہ حدیث بھی پڑھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ بڑے بڑے عالم بھی مناظرہ نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن اور حدیث کا عالم ہونے کے باوجود حضورؐ کی دامن گیری کے بغیر بے ایمان تھا۔ قرب الی اللہ کا راستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ جب تک انسان کلمہ نہ پڑھے اس کے بعد تکمیل قرآن کے ذریعہ ہو گی۔ پھر ہر ایک اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس راستہ میں ترقی کرتا ہے۔

ع فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

حدیث شریف: تَرَکْتُ فِیکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ ۔

(ترجمہ) میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک کہ تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے ہو گے ہر گز گمراہ نہ ہوں گے (وہ دو چیزیں کیا ہیں؟) کتاب اللہ اور اس

کے رسول کی سُنت۔

گمراہی سے بچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے امیر ہو یا غریب۔ عالم ہو یا جاہل۔ مرد ہو یا عورت جو بھی قرآن اور حدیث سے ناآشنا ہوگا وہ گمراہ ہوگا۔ میں ہمیشہ آپ سے کہا کرتا ہوں۔ کہ یا تو انسان خود عالمِ قرآن ہو یا کسی عالمِ قرآن کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ہو یا اللہ تعالیٰ مادرزاد ولی بنا دے ان تینوں صورتوں کے بغیر شیطان ایمان نہیں رہنے دیتا۔ قرآن اور حدیث دونوں محفوظ ہیں۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر رکوع ۱ پارہ ۱۴)

ترجمہ: ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جب تک حضورؐ کا اُسوۂ حسنہ محفوظ نہ ہو۔ اس لیے قرآن کے ساتھ حدیث خود بخود محفوظ ہو گئی۔

مسلمانوں کے سوا کسی امت کے پاس نہ ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی کا اُسوۂ حسنہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلام میں سے صرف یہ ایک فقرہ محفوظ ہے:۔

اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ!

اس کا فارسی میں کسی نے ترجمہ کیا ہے:

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کُن

(اگر تو بے حیا ہو جائے تو جو تیرا دل چاہے کر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

حدیث شریف: لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ (مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

ترجمہ: البتہ تم ضرور ان کے نقشِ قدم پر چلو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ بالشت برابر بالشت اور ہاتھ برابر ہاتھ۔

مَنْ قَبْلَکُمْ کے متعلق جب صحابہ کرام نے عرض کی۔ کیا ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ آپ

نے فرمایا اور کون ؟

ان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ کتاب و سنت سے ناآشنا ہیں۔ اور چند خود ساختہ رسم و رواج کو دین کا نام دے رکھا ہے۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاصیت رکھی ہے۔ جو اس کے بغیر دوسری کسی چیز میں نہیں ملے گی۔ نمک کے اندر جو نمکینی ہے۔ وہ مشک و عنبر میں نہیں ہے۔ اگر نمک نہیں ڈالیں گے تو غریب کی ہنڈیا اور امیر کی دیگ پھیکی ہوگی۔ قرآن میں غور و خوض نہ کرنے والا عالم بھی گمراہ ہوگا۔ اور جاہل بھی۔ قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو بتلاتی ہے۔ کہ ہمارا خدا سے کیا تعلق ہے۔ اور خدا کا ہم سے کیا تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن مجید اور حضورؐ کی سنت کے ذریعہ اپنی روحانی تربیت کرنے

کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء

بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کی علامتیں

سب سے پہلے اپنا امتحان لیا کیجئے۔ کہ کیا میں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوں یا نہیں۔ اس کے بعد بال بچوں کی فکر کیا کیجئے۔ اور ان کے اندر یہ علامتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ سورۃ التحریم رکوع ۱ پارہ ۲۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

قولہٗ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا ط

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

جیسے بال بچوں کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح ان کی اصلاحِ نفس بھی

اس کے ذمہ فرض ہے۔ اگر کسی کی بیوی بیمار ہو جائے وہ یا تو اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا یا ڈاکٹر کو اس کے پاس لائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ نہ کرے اور نہ وہ۔ حالانکہ اسے توفیق بھی ہو۔ تو یہی کہا جائے گا۔ کہ وہ ظالم ہے۔ یہی حال روحانی بیماری کا ہے۔ اگر کسی کے بال بچے روحانی مریض ہوں۔ اور وہ نہ طبیب روحانی کے پاس لے جائے اور نہ طبیب روحانی کو ان کے پاس لائے۔ تو یہی کہا جائے گا کہ وہ ظالم ہے۔

ایک دفعہ حضرت امروہی رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے۔ ان کی موجودگی میں میں نے تقریر کی۔ حضرتؒ نے پانچ روپیہ چندہ بھی دیا اور خلیفہ شہاب الدین سے فرمایا کہ تم ان کی تقریر لکھ کر چھپواتے کیوں نہیں۔ تاکہ باہر کے لوگ بھی اس سے مستفید ہوں۔ یہ ان کی دعا کی برکت ہے۔ کہ اب تک گیارہ لاکھ سے زائد رسالے چھپ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی مطبوعات بھی ہیں

گھر کا بڑا ذمہ دار آدمی اگر بیمار ہو تو بھی بال بچوں کی قوت لایموت پیدا کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ میں اگرچہ روحانی بیمار ہوں لیکن میں اپنی ذمہ واری کو محسوس کرتا ہوں۔ اس لیے کچھ نہ کچھ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا کرتا ہوں۔ اب میں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی علامتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بقر رکوع ۲۰ پارہ ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ : وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

ترجمہ : اور لوگوں میں سے بعض اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیتے ہیں (پھر) ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ محبت کا پتہ تب چلتا ہے کہ محبوب ایک طرف بلائے اور اس کے مخالف دوسری طرف کھینچیں اگر اس نے محبوب کا کہا مانا تو سمجھا جائے گا کہ اس کو اس سے محبت ہے۔ اگر مخالفین کی بات پر عمل کیا تو اس کا دعویٰ محبّت غلط قرار دیا جائے گا۔ اگر انسان اپنے نفس، بیوی، اولاد اور برادری کے مقابلہ میں خدا کی رضا کا خیال رکھتا ہے۔ تو کہا جائے گا۔ کہ اس کو خدا سے محبت ہے اس کی یہی کوشش ہوگی کہ اللہ اور اس کا رسولؐ راضی ہو جائیں۔ باقی کوئی راضی رہے یا نہ رہے۔ یہ اللہ تعالےٰ سے محبت کے نتائج ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو سب سے زیادہ اپنی محبت عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین ط

۲۔ دوسری علامت ہے کہ متعلقاتِ محبوب کی دل میں عزت ہو۔

اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے۔ تو پھر اس کی طرف جس چیز کی بھی نسبت ہوتی ہے وہ بھی محبوب ہو جاتی ہے۔ سورۃ الحج رکوع ۴ پارہ ۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ؕ

ترجمہ: اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی۔ پس یہ چیز دل کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

ہر قوم کا اپنا شعار ہوتا ہے۔ مثلاً انگریز کے ابتدائی دورِ حکومت میں یہاں ترکی ٹوپی مسلمان کا شعار تھا۔ سر پر بودی ہندو کا شعار تھا۔ ہیٹ انگریز کا شعار تھا۔ اگر کوئی ہندوستانی ہیٹ پہن لیتا تھا تو لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ کرنٹا ہو گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ شعائر اللہ چار ہیں :-

۱۔ کتاب اللہ، ۲۔ رسول اللہ، ۳۔ بیت اللہ، ۴۔ الصلوٰۃ۔

دنیا میں کتابیں بے شمار ہیں۔ لیکن اس وقت

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ کتاب اللہ کا نام سنتے ہی ذہن فوراً قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب لغاری سکنہ سانگھڑ نے مجھے ایک معمّر شخص کا واقعہ سنایا جو ان کے پاس پڑھنے کے لیے آیا۔ پچھلے دنوں جب میں سندھ گیا تھا۔ تو مولانا عبداللہ صاحب لغاری کے ہاں ایک نوجوان نے مجھے بتلایا۔ کہ وہ معمّر شخص میرا چچا تھا۔ وہ شخص سر پر قرآن مجید اٹھائے جنگل میں جا رہا تھا کہ اسے ایک گڈریا ملا۔ جب گڈریا نے اس سے پوچھا کہ تمہارے سر پر کیا ہے تو اس نے جواب دیا۔ کہ یہ کلام اللہ ہے۔ سندھ میں زیادہ تر قرآن مجید کو لوگ کلام اللہ کہتے ہیں۔

گڈریا نے کہا کہ مجھے کلام اللہ پڑھ کر سناؤ۔ اس شخص نے کہا کہ میرا وضو نہیں ہے جہاں پانی ملے گا۔ وہاں وضو کر کے تمہیں سنا سکتا ہوں۔

گڈریا اپنے مویشی چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب پانی ملا تو اس نے وضو کر کے قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ گڈریا نے پھر پوچھا۔ کہ یہ تو بتلاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم اسی طرح عمل کر کے اس کو راضی کر سکیں۔ یہ شخص خود بھی قرآن دان نہ تھا۔ اس لیے اس سے کہنے لگا۔ کہ کلام اللہ کا مطلب تو مجھے بھی نہیں آتا۔ لیکن گڈریا کی بات اس کے دل میں بیٹھ گئی۔ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اسی دن سے اس نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ اسی غرض کے لیے وہ مولانا عبداللہ صاحب لغاری کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے جب پوچھا۔ کہ اس عمر میں تمہیں پڑھنے کا شوق کیسے پیدا ہوا تو اس نے سارا واقعہ عرض کیا۔

۲۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ رسول کے معنی ہیں قاصد۔ قاصد دنیا میں کروڑوں۔ لیکن اللہ کے قاصد صرف ایک حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ہیں آپؐ سے پہلے بھی اللہ کی طرف سے ہر قوم اور ہر خطہ کے لیے انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ لیکن اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سنتے ہی ذہن صرف حضورؐ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۳۔ بیت اللہ۔ بیت کے معنی ہیں گھر، گھر دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں۔ مگر اللہ کا گھر صرف خانہ کعبہ ہے۔

۴۔ الصلوٰۃ (نماز) نماز میں اللہ کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اس کی ساری ہیئت کذائی میں معبود حقیقی کی یاد ہے۔

اوصی نفسی اولاد ایاکم بعدہٗ — ترجمہ: پہلے میں اپنے آپ کو اور پھر آپ کو وصیت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو شعائر اللہ کی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نماز باقاعدہ

ادا کریں۔ تلاوتِ قرآن مجید میں ناغہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ہمیشہ اتباع کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ تو بیت اللہ کا حج بھی کریں۔ یہ متعلقات محبوبِ حقیقی ہیں اور ان سے محبت دل کے تقویٰ کا پتہ دیتی ہے۔ (فانہا من تقوی القلوب) ہر شخص اپنے متعلق خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ مجھے اللہ اور اس کے متعلقات سے کتنی محبت ہے قرآن مجید تو سب پڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن کیا اس سے تقویٰ پیدا ہوا۔ اکثریت اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ کیوں کہ صحبت نصیب نہیں۔ نفس۔ بیوی اولاد اور برادری۔ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرا لیتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بیوی اور اولاد کے متعلق فرمایا:

قولہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ط ہیں۔ پس ان سے بچو۔

جو اس امتحان میں کامیاب ہونے والے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ط (سورۃ حم السجدہ رکوع ۴ پارہ ۲۴)

(ترجمہ) بے شک وہ لوگ جنہوں نے (ایک دفعہ) کہا۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اس پر ڈٹ گئے (موت کے وقت) ان کے پاس فرشتے آتے ہیں (یہ پیغام لے کر کہ) ڈرو مت اور نہ غم کھاؤ۔ اور وہ اس جنت کی خوش خبری دیتے ہیں۔ جس کا تم کو وعدہ دیا گیا تھا۔

۳۔ تیسری علامت ہے کہ شعائر اللہ کے متوسلین یعنی اللہ والوں سے محبت ہو۔ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ (اِلیٰ) الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورۃ کہف رکوع ۴ پارہ ۱۵) ترجمہ: اپنے آپ کو ان لوگوں

کی صحبت میں پابند رکھ جو صبح و شام یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اس کی رضا کے طالب ہیں۔ اگر ان سے آپ نے نظر ہٹائی۔ تو یہی سمجھا جائے گا کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں۔) وَاصْبِرْ امر کا صیغہ ہے۔ ہمیں ان اللہ والوں کی صحبت میں نشست و برخاست رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد نہ جائدادیں بنانا ہے۔ نہ گریڈ اور عہدے بڑھانا نہ سیٹھ بننا اور نہ زیادہ سے زیادہ رقبۂ زمین پر قبضہ جمانا ہے۔ ان کو اللہ کی رضا کے سوا کوئی چیز محبوب نہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ ان اللہ کے بندوں سے نظر ہٹا کر دُوسری طرف نہ دیکھنا۔

بعض مرد اور عورتیں شریعت کے اتباع سے بچنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو دنیا کے کُتے ہوتے۔ میں کہا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کتوں اور کتیوں کے لیے نہیں بھیجا۔ یہ تو انسانوں کے لیے ہے۔ ہم نے اگر اپنے

آپ کو کتا کہہ دیا تو کیا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا؟ قرآن انسان بناتا ہے۔ آپ میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جن کو اللہ اور رسول اللہ کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں۔ میں ان کو مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ہے قرآن کی تعلیم اور اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو۔ تو بعض عالم بھی گنگا رام کی طرح ساری کفر کی رسمیں ادا کرتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ اللہ کا نام آئے اور اثر نہ ہو۔ اگر اثر نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر نہیں پڑتا۔

میں دنیادار سے کہا کرتا ہوں کہ تمہیں انسانوں کو پرکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے ضرورت نہیں۔ میرے ہاں کوئی آئے۔ میں خوش ہوتا ہوں کہ میری ہی باتیں سن کر جائے گا۔ میرے درس میں بعض ہندو بھی آتے تھے۔ شیعہ بھی آتے تھے۔ اہلِ قرآن کے امام مولوی حشمت علی صاحب سالہا سال تک میرے درس میں

آتے رہے ہیں۔ میں نے الحمد کی ا لف
سے ؔ الناس کی س تک سارا قرآن ان
کو سنایا۔ آپ چھان بین کرتے ہیں۔
آپ کو اللہ والوں کی بھی جانچ پڑتال کرنی
چاہیئے۔ کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ کھرا
وہ ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں
ہاتھ میں حدیث خیرالانام ہو۔ زبان سے تو
سب یہی کہتے ہیں کہ ہم کھرے ہیں۔ میں تو
آپ سے ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ اس کو
بھی اللہ کے سپرد کیجئے۔ اللہ سے دعا کیا کیجئے
کہ اے اللہ! جو کھرا ہے ہمیں اس کے ہاں
پہنچا تاکہ قیامت کے دن تو ہم سے یہ سوال نہ
کرے کہ تم فلاں جگہ کیوں گئے تھے؟
ہر عالم اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کا اتباع
کیا جائے۔ اکثریت کھوٹوں کی ہے اگر ایک
لاکھ مسلمانوں میں سے ایک بھی کھرا عالم ہوتا
تو لاہور میں ۱۷ ہونے چاہیئے تھے۔ کھرا وہ

جو یہ کہے کہ خدا واسطے درسِ قرآن دوں گا۔ تم کچھ دوگے بھی تو نہیں لوں گا۔

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

اسی قسم کے عالم ہی حق کہہ سکتے ہیں۔

نعم الامیر علیٰ باب الفقیر

بئس الفقیر علیٰ باب الامیر

اللہ تعالیٰ کا نام اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے۔ استخارہ میں ضروری نہیں کہ کچھ نظر آئے۔ لیکن طبیعت کا میلان ایک طرف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں طبیعت کا میلان ذکرِ الٰہی کی طرف ہو جاتا ہے۔

جمعہ، درس یا اس مجلس میں جو کچھ میں عرض کیا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وما علینا الا البلاغ

۵ جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۵۶ء

نورِ فطرت کی تکمیل

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ یہ مجلس ان احباب کے لیے ہے۔ جن کا مجھ سے اللہ اللہ کرنے کا تعلق ہے۔ اور جو ہمارے خاندان کے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ میرے اور آپ کے اندر علمِ الٰہی کے ساتھ اس کا عمل بھی پیدا ہو جائے۔ دوسرے احباب بھی آ جاتے ہیں۔ ع

چشمِ ما روشن دلِ ما شاد

اگر خارجی نور تائید نہ کرے تو ظاہری بینائی بے کار ہو جاتی ہے۔ بینائی خداداد ہو۔ لیکن اس بینائی کو بروئے کار لانے کے لیے خارجی روشنی ضروری ہے۔ مثلاً رات اندھیری ہو۔ کمرہ

بند ہو اور اس میں روشن دان بھی نہ ہوں اور ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آئے۔ اس جگہ مادر زاد اندھا اور بینا برابر ہیں۔ سورج، چاند، ستارے یا کسبا" حاصل شدہ روشنی خارجی روشنی کہلاتی ہے۔ اپنی بینائی سلامت ہو پھر خارجی روشنی جتنی تیز ہو گی اتنی ہی دور تک دکھائی دے گا۔ دن کو سورج کی تیز روشنی میں شاہی مسجد کے مینار سے مقبرۂ جہانگیر کے مینار نظر آتے ہیں۔ رات کو چاند اور ستاروں کی روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی اس لیے زیادہ دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ زمین قابلِ کاشت ہو۔ لیکن اگر مالی نہ آئے اور پانی بھی نہ ملنے پائے تو وہ بے کار پڑی رہے گی۔ اسی طرح نورِ فطرت موجود ہو۔ یعنی اندر قبولیتِ حق کی استعداد ہو۔ لیکن جب تک خارج کا نورِ ہدایت تائید نہ کرے۔ یہ استعداد بروئے کار نہیں آتی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے :-

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ

اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ۔ علمی طور پر نورِ ہدایت کتب سماوی اور عملی طور پہ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ آج کل علمی لحاظ سے یہ نورِ ہدایت قرآن مجید ہے۔ اور عملی لحاظ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ بین الدفتین جو چیز میرے اور آپ کے سامنے ہے وہ علمِ قرآن ہے۔ اور حضورؐ عمل قرآن ہیں۔ یہ صُورتِ قرآن ہے اور وہ سیرتِ قرآن ہیں۔ حضورؐ آفتاب اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چاند کی مانند تھے۔ اور اب علمائے کرام مثل ستاروں کے ہیں۔

صحابۂ کرام کو حضورؐ کی صحبت میں جتنا تیز نورِ باطن عطا ہوا تھا وہ بعد میں کسی کو نصیب نہ ہوا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ کام لیے جو بظاہر عقل میں نہیں آتے۔

ہجرت کے بعد حضورؐ کی دس سالہ حیاتِ طیبہ کے ۱۲۰ ماہ بنتے ہیں اور اس میں غزوات اور سرایا ملا کر کل ۱۲۱ لڑائیاں صحابۂ کرام نے

لڑی ہیں۔ گویا ہر مہینہ میں ایک لڑائی۔ پھر بادشاہ سلامت وہ ہیں جن کے خزانہ میں نہ کھانے کے لیے روٹی نہ پہننے کے لیے کپڑا۔ جو مالِ غنیمت آتا ہے وہ سب تقسیم فرما دیتے ہیں۔ جنگِ تبوک میں بعض صحابہ کرام نے سواری کے لیے حضورؐ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ قرآن کی شہادت ہے کہ حضورؐ کا یہ جواب سن کر وہ حضرات روتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کو نہ بال بچوں کی فکر ہوتی تھی نہ گھر بار کا خیال آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہ تھے۔ کوئی جنّ تھے۔ دراصل پاور انجن پیچھے حضورؐ کی ذات مبارک تھی۔ آپؐ کی روحانی طاقت صحابہ سے مافوق الفطرۃ کام کرا رہی تھی۔ کہ ساری دنیا بھی سیراب ہو جاتی۔ تو بھی نہ ختم ہوتی۔

صحابہ کرام کے اندر جو رنگ تھا وہ تابعین میں نہیں تھا جو تابعین میں تھا وہ تبع تابعین میں نہ

تھا۔ اور جو تبع تابعین میں تھا۔ وہ بعد والوں میں نہیں ہے۔ دس ہزار ستارے بھی اکٹھے ہو جائیں تو ایک چاند کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ستارے بھی روشنی دیتے ہیں۔ لیکن سورج اور چاند کے مقابلہ میں ان کی روشنی بہت کم ہوتی ہے اسی طرح علمائے کرام اور صوفیائے عظام بھی نورِ ہدایت کے علم بردار ہیں لیکن حضورؐ اور صحابۂ کرام کے مقابلہ میں ان کی وہ حیثیت نہیں۔ قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے:۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ (سورۃ الحجر ع ۱ پ ۱۴)

(ترجمہ) تحقیق ہم نے ذِکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی البتہ اس کے نگہبان ہیں۔

اس کی حفاظت انسانوں سے کرا رہے ہیں علمائے کرام اس کے قال کے اور صوفیائے عظام حال کے محافظ ہیں۔ یہی دونوں جماعتیں حاملینِ دین ہیں۔ علمائے کرام قرآن سمجھا دیتے ہیں۔ صوفیائے عظام اس کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔ قرآن رنگ ہے

قولہ تعالیٰ: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ ترجمہ: اللہ کا رنگ اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہے۔

(سورۃ البقرۃ رکوع ۱۶ پارہ ۱)

دنیا کے رنگ ظاہر کو رنگتے ہیں اور قرآن باطن کو رنگتا ہے۔ قرآن کا رنگ چڑھ جائے۔ تو انسان، انسان بنتا ہے۔ بعض حضرات جامع بھی ہوتے ہیں۔ وہ ظاہری علم کے فاضل اجل اور باطن کے کامل اکمل ہوتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ دیوبند میں اس قسم کے حضرات ہمیشہ رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان سے پہلے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تھے۔ ان سے پہلے حضرت شیخ الہند تھے۔ ان سے پہلے بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے سادہ مزاج تھے۔ کہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ جامع صفات بزرگ تھے۔ ایک دفعہ دیانند سے آپ

کا مناظرہ ہوا۔ پنڈال میں تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ جب آپؒ تشریف لائے۔ تو دروازہ پر چپراسی نے روک کر کہا۔ کہ ارے بڈھے! تو اندر جا کر کیا کرے گا۔ فرمایا۔ میں بھی سنوں گا۔ جب آپ نے تقریر فرمائی تو خود ہندوؤں کا بیان ہے کہ ایسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ مولانا کے منہ سے علم کی دیوی بول رہی ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب فاروقی چنگڑ محلہ (انار کلی) لاہور یہیں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جب حج پر گیا۔ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں قیام فرما تھے۔ میں جب مدینہ منورہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت پھر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میرے پاس تشریف لائے۔

میں نے جب عرض کی کہ حضرت کیسے تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہیں کیوں بتلاؤں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ دراصل مجھے لینے کے لیے آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فرمانے لگے۔

کہ پاندان گم کر آئے ہو نہ - یہ حضرت کا ماضی کے متعلق کشف تھا - میں نے عرض کی کہ حضرت ملے گا بھی یا نہیں تو فرمایا - ہاں ہاں مل جائے گا - یہ مستقبل کا کشف تھا - چنانچہ وہ مل گیا - ان کی طبیعت میں ظرافت تھی - مگر اب تقسیم کے بعد روتے رہتے تھے -

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

ان کا ہی بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت کا جوتا سیدھا کر دیا - تو آپ نے میرا جوتا اٹھا کر سر پہ رکھ لیا اور فرمایا - کہ توبہ کرو کہ آئندہ میرے جوتے کو ہاتھ نہ لگاؤ گے - میں نے عرض کی کہ حضرت اگر اس ادب کا یہی صلہ ملنا ہے تو میں اس سے باز آیا - یہ صاحب شیخ العرب والعجم ہیں مگر ہستی فنا ہے -

میری ان کے متعلق رائے ہے کہ اس وقت ان کی ہندو پاکستان میں نظیر نہیں تھی - شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں

ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

عالم شکوک و شبہات دُور کر دے گا، مگر عمل کا رنگ نہیں چڑھتا۔ جب تک کامل کی صحبت نصیب نہ ہو۔ کامل سے اخذِ فیض کے لیے عقیدت، ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رہم منزلہا

عقیدت، ادب اور اطاعت نہ ہو تو کامل کی صحبت بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

علماء کرام اور صوفیائے عظام کا سلسلہ قرآن کی حفاظت کے لیے ہے۔ فوج دراصل سپاہیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ لیکن اس میں ڈاکٹر۔ لانگری اور بہرے سب شامل ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حدیث شریف: عن زید ترجمہ: زید بن خالد رضی اللہ عنہ

بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزٰى وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِىْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزٰى۔

(متفق علیہ)

سے روایت ہے۔ کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کر دیا۔ اس نے گویا جہاد ہی کیا۔ اور جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل و عیال کا خدمت گزار رہا۔ اس نے بھی گویا جہاد ہی کیا۔

دوسرا ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:-

حدیث شریف: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةً

ترجمہ: عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک تیر سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو تیر بنانے والا

نَفَرِ الجَنَّۃَ صَانِعَہٗ يَحْتَسِبُ فِیْ صَنْعَتِہٖ الخَيْرَ وَالرَّامِیْ بِہٖ وَمُنَبِّلَہٗ رواہ الترمذی وابن ماجہ	والے کو جو ثواب کی نیت سے بنائے۔ دوسرے تیر چلانے والے کو۔ تیسرے تیر دینے والے کو۔

قرآن مجید کی حفاظت دراصل علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا کام ہے۔ لیکن ان ارشاداتِ نبوی کے ماتحت اس کام میں ہر ایک حصہ دار بن سکتا ہے۔ اسی لیے میں آپ سے کہا کرتا ہوں۔ کہ جو طالب یہاں قرآن مجید پڑھنے آتے ہیں۔ اگر آپ ان کی خوراک کے لیے انجمن کے خزانہ میں کچھ دے دیں گے تو وہ آپ کی کمائی سے دال روٹی کھا کر جائیں گے جب تک وہ اشاعت قرآن کرتے رہیں گے۔ شہنشاہِ حقیقی کے خزانے میں آپ کا حصہ بھی ہو جائیگا۔

فطرۃ سلیم کو بروئے کار لانے کے لیے علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی ضرورت ہے۔ آج جتنے عالم نظر آتے ہیں۔ یہ گورنروں۔ وزراء اور

افسروں کی محنت کا نتیجہ نہیں ہیں۔ علماء کرام کی قوت گویائی سے کتاب اللہ کا علم دل میں آتا ہے۔ کامل اس کو اعضا میں اتارتے ہیں۔ ان میں بعض بڑے اور بعض چھوٹے ہیں۔ دنیادار سمجھتے ہیں کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ لیکن جب تک علم صحیح کے ساتھ عمل نہ ہو۔ انسان کامل نہیں ہو سکتا۔ سورۃ یونس رکوع ۵ پارہ ۱۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ : وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝	ترجمہ : اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں۔ جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ کیا آپ اندھے کو ہدایت کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا نورِ فطرت بجھ چکا ہے اللہ تعالیٰ حضورؐ سے فرماتے ہیں کہ آپ ان کو سنا نہیں سکتے۔ جس طرح اندھے کو دکھایا نہیں جا سکتا اور بہرے کو سنایا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح

ممسوح الفطرۃ لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھایا جا سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حق کی مخالفت کی وجہ سے نورِ فطرت بجھ چکا ہے۔ انہیں کے متعلق سورۃ البقرہ رکوع ۱ پارہ ۱ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ط

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے۔ برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے

میری ساری تقریر کا حاصل یہ ہے۔ کہ اگر فطرت سلیمہ موجود ہو اور اس کو باہر کے منبعِ ہدایت سے رہنمائی ہے تو فائدہ ہوتا ہے۔ ورنہ فطرت سلیمہ بھی بے کار ہوتی ہے۔ جو حضرات منبعِ ہدایت ہیں۔ ان کی صحبت کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان کی صحبت سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسخ ہونے سے بچائے۔

آمین یا الٰہ العالمین۔ وما علینا الا البلاغ

۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲ر فروری ۱۹۵۶ء

عقلمند کم پاگل زیادہ بینا کم نابینا زیادہ نفع والے کم نقصان والے زیادہ

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں یہ مجلس دراصل ان احباب کے لیے ہے۔ جن کا اللہ اللہ کرنے کا تعلق مجھ گنہگار سے ہے۔ یہ الفاظ مجھے ہر دفعہ اس لیے دُہرانے پڑتے ہیں کہ ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی صاحب نئے ہوتے ہیں۔ ہم اللہ کا نام لیتے ہیں۔ دوسرے احباب بھی آجاتے ہیں۔

جن احباب کا مجھ سے تعلق ہے۔ ان کی خدمت میرے ذمہ فرض ہے۔ اس لیے اُن کی رُوحانی تربیت کے لیے ذکر کے بعد کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں۔ تاکہ ان باتوں پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے اور آپ سے۔ راضی ہو جائے۔ یہی اس مجلس کا مقصد ہے۔ حصّہ بقدرِ

جنت۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے انسان کام تھوڑا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اجر زیادہ دیتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے:

قولہ تعالیٰ، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ط

ترجمہ، جو کوئی ایک نیکی کرے۔ اس کے لیے اس (نیکی) کا دس گنا اجر ہے۔

کون اتنی مزدوری دیتا ہے کہ ایک تسبیح کی اور دس کا ثواب مل گیا۔ سکندر رومی سے ایک سائل نے پیسہ مانگا۔ اس نے کہا۔ میری شان کے مطابق مانگو۔ سائل نے کہا۔ اچھا بادشاہی دے دو۔ سکندر نے جواب دیا۔ کہ اپنی حیثیت کا بھی خیال رکھو۔ آج کل کے دنیاداروں نے اگر کسی مزدور کا ایک روپیہ دینا ہو تو ساڑھے تیرہ آنے ہی دینے کی کوشش کریں گے۔ کافی تکرار کے بعد ممکن ہے کہ پندرہ آنے دے دیں۔ میں تو اپنے احباب سے کہا کرتا ہوں کہ غریبا سے

ڈرا کریں۔ اگر کسی غریب کے چار آنے بنتے ہیں تو اس کو ساڑھے چار آنے دے دیجئے۔ اگر آپ نے اس کا حق پورا نہ دیا تو ممکن ہے اس کی بددعا سے ہزاروں روپے کا نقصان ہو جائے

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

میری آج کی تقریر کے تین عنوانات ہیں:۔

۱۔ اس جہان میں پاگل اکثریت میں ہیں۔ اور عقل مند اقلیت میں۔

۲۔ نابینا اکثریت میں ہیں اور بینا اقلیت میں۔

۳۔ اس دنیا کی منڈی میں نقصان اٹھانے والے اکثریت میں ہیں اور نفع اٹھانے والے اقلیت میں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عقلمند، بینا اور نفع اٹھانے والا بنائے۔ اور پاگل، نابینا اور خائب و خاسر ہونے سے بچائے۔ آمین یا الہ العالمین۔ اس دنیا کی منڈی میں خائب و

حاضر ہونے والوں کی اکثریت ہے۔ جمعہ کے دن
آپ سب آزاد ہوتے ہیں۔ ایک میں ہی پابند
ہوتا ہوں۔ اب تو لکھ کر لاتا ہوں۔ لیکن بعض
اوقات اس سے پیشتر گھنٹوں قرآن مجید کی
ورق گردانی کرتا رہتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا بھی
ہوا کہ کپڑے بدل کر چلنے کے وقت تک کوئی
موضوع سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اس وقت جان
مخمصہ میں ہوتی ہے۔ ادھر لوگ منہ کو دیکھتے
ہیں۔ ادھر اللہ کا ڈر۔ ادھر یہ منبر حضورؐ کے
منبر کی نقل ہے۔ اس سے حضورؐ کا خیال
پہلے انبیاء کے حضور میں ان کی امتوں کے
اعمال پیر اور جمعرات کے روز پیش ہوتے تھے
بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اعمال آپ کے
حضور میں روزانہ پیش ہوتے ہیں۔ یہی خیال آتا
رہتا ہے کہ کہیں ایسی کوئی بات نہ منہ سے نکل
جائے کہ حضورؐ ناراض ہو جائیں۔ یہ اللہ کا فضل

ہے کہ کام چل رہا ہے۔ وہی دل میں ڈالتا ہے وہی یہاں لا کر بٹھاتا ہے۔ اور وہی زبان سے کہلواتا ہے۔

۱۔ عقل مند کون ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

(سورۃ آل عمران رکوع ۲۰۔ پارہ ۴)

ترجمہ: عقل مند وہ ہیں جن کی حالت یہ ہے۔ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے۔ سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

یہ عقل مندوں کی صفات ہیں۔ وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے غرضیکہ ہر حالت میں اللہ

کے ذکر میں مشاغل رہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ وہ اس جہان کی ہر چیز کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کرام کی ایک قسم حائرین کی ہے۔ حائر حیران سے ہے۔ ان کی نظر جس چیز پر ٹک گئی وہ حیران ہو کر اس کو دیکھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان ہوتے رہتے ہیں۔

باغ میں چلے جائیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے نظر آئیں گے۔ ایک ہی زمین ہے لیکن اس میں سے گلاب کی جڑ سرخ رنگ اور گیندے کی زرد رنگ اور موتیے کی سفید رنگ کھینچ کر لاتی ہے۔ پھر اور کمال دیکھیے کہ ہر ایک کی جڑ علیحدہ علیحدہ خوشبو زمین سے حاصل کرتی ہے۔ حائرین اسی میں محوِ حیرت ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ اب اس آئینے میں سب کا منہ دیکھیے کہ کتنے عقل مند اور کتنے پاگل ہیں۔ دراصل انسان بھی بے کار نہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ انسان کی بھی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ سارے جہان کی چیزیں اللہ نے انسان کے لیے بنائی ہیں۔ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور انسان اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے عقلمند وہ ہیں جو مقصدِ تخلیق کو سمجھتے ہیں۔

حضرت دین پوری نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ بیٹا بیت الخلاء میں بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ صرف اشارہ کر دیتا ہوں کہ جب سب لطائف چل نکلیں تو بیت الخلاء میں بھی وہ خود بخود جاری رہیں گے اور وہاں بھی نہ رکیں گے۔ گھڑی کی مشینری جب چلتی ہے تو ہر حالت میں چلتی رہتی ہے۔ خواہ انسان کسی جگہ ہو۔

۲۔ پاگل کون ہے؟

پاگل وہ شخص ہے کہ جو کرنا ہے وہ تو ہرگز نہ کرے۔ اور جو نہیں کرنا وہ ضرور کرے۔ پاکستان

میں ایسے آدمی بکثرت پائے جاتے ہیں جو دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ زنا، شراب، سینما اور ڈانس ان کا مشغلہ ہے۔ نماز کے قریب بھی نہیں جاتے جب نماز کے متعلق ان سے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ "تساں نماز نال کی بنا لیا" (آپ نے نماز سے کیا بنا لیا) ہم نے نماز سے وہ کچھ بنا لیا جس کی تمہیں سمجھ نہیں۔

گھوڑے کو پہلے تو کھلاتے پلاتے ہیں اور پھر اس کو تانگے میں جوتتے ہیں۔ اسی طرح گائے بھینس وغیرہ کو پہلے چارہ کھلاتے ہیں پھر دودھ دوہتے ہیں۔ لیکن انسان سمجھتا ہے کہ کھانے پینے کے بعد میں سینما اور ڈانس کے لیے فارغ ہوں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کما کر لانے کے بعد اللہ اللہ کرتے۔ لیکن یہ پاگل اس وقت فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ بیوی خوبصورت ہو اور نئی شادی ہوئی ہو تو دفتر میں بیٹھے بھی بیوی یاد رہتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کا ذکر بکثرت

کیا جائے۔ تو پھر خود بخود قلب چل نکلتا ہے۔
اللہ کے ذکر کے لیے تسبیح کا ہونا ضروری نہیں۔
یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان
کے گلے میں انگریز لعنت کا طوق ڈالا گیا جو ان
کو ذکرِ الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یہ ان کو
بے ایمان کہتے ہیں۔ پہلی قوموں نے بھی ہادیوں
کا مذاق اڑایا۔ اور اسی گناہ کے باعث تباہ ہو
گئیں۔ کاریگر ہی بتا سکتا ہے کہ اس نے مشین
کیوں بنائی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کہ انسان کا
خالق ہے۔ وہ اس کی تخلیق کی غرض جانتا ہے
اسی سے پوچھنا چاہیئے کہ اے اللہ! تو نے
مجھے کیوں بنایا؟

۳۔ اندھا کون؟

اندھے اکثر بینا کوئی۔ جب احکم الحاکمین نے
سب کچھ بنایا ہے۔ اس کا انکار یا اس کا شریک
بنانا یہ اندھا پن ہے۔ فرشتہ خود مخلوق ہے۔
خالق وہی ہو سکتا ہے۔ جو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

(نہ کسی کو جنے نہ وہ جنا گیا ہو) مشرک، کافر اور نفاق اعتقادی کے منافق اندھے ہیں۔ بینا وہ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اگر انسان سات کوٹھڑیوں میں مقفل ہو کر نیکی یا گناہ کرے گا تو اس کی نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا مل جائے گی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس نیکی کی جزا اور کس گناہ کی سزا ملا ہے۔ جو بینا ہیں۔ ان کے ہاتھ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں اٹھتے۔ وہ اللہ کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ وہ ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ اندھا ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے مگر راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ اندھے وہ ہیں جن کو معرفت الٰہی نصیب نہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنی عقل پر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کے سود کے متعلق احکامات قابلِ اعتراض

ہیں۔ وہ پردے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ نفاقِ اعتقادی کے منافق ہیں۔ کھرا ایمان یہ ہے کہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان پر دل سے مہر تصدیق لگائی جائے۔ سورت المؤمنون رکوع ۶ پارہ ۱۸ میں اللہ تعالےٰ اندھوں کے متعلق فرماتے ہیں؛ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۔ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۔ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ

اکثریت اسی کھاتے میں آتی ہے۔ وہ یہ خائب و خاسر ہیں اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کی اکثریت ہے۔ مردوں کو تجارت، نوکری سب کچھ پیارا ہے نہیں پیارا تو اللہ کا نام

۵ رنگی کو نارنگی کہیں دودھ کڑھے کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں، دیکھ کبیرا رو دیا

جن کے اندر ایمان ہے - ان کو بے ایمان کہتے ہیں - یہ رنڈی باز اور شرابی ایمان دار ہیں - مرنے کے بعد پتہ چلے گا - پھر کہیں گے - اے اللہ ہمیں ایک دفعہ پھر لاہور بھیج دے - لیکن لاہور تو غرق ہو چکا ہو گا - یہ عمر کی پونجی برباد کرنے والے ہیں -

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کا پروگرام قرآن ہے اور عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں -

اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو اور آپ کو عقل مند دل، بینا اور نفع اٹھانے والوں کی فہرست میں شامل فرمائے - آمین - اس کا طریقہ یہ ہے کہ تعلیم ہو قرآن کی اور سامنے حضورؐ کی سنت ہو اور اللہ والوں کی - جن کا یہ حال ہے صحبت ہو

موتی ملنے ارزاں۔ لیکن اللہ والے ملنے اس سے بھی گراں۔ موتی تو کافروں کے گھروں میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ والے مسلمانوں میں بھی اللہ نے بیج کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ انہی کی برکت سے اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ قولاً، فعلاً، صورتاً سیرتاً، ظاہراً، باطناً، علماً، عملاً۔ ان سب عنوانات کے ماتحت اللہ کے بندے موجود ہیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ (جویندہ یابندہ) اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس جماعت میں شریک فرمائے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین

---

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۵۶ء

مصائب میں خداپرستوں کا مسلک

ذکرِ جہر کے فائدے میں بارہا عرض کر چکا ہوں ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ذاکر وساوسِ خطرات سے بچا رہتا ہے لیکن ذکرِ جہر حد سے زیادہ زور سے

نہیں کرنا چاہیئے۔ بعض احباب مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ ان کو علم نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ زیادہ بلند آواز اور زور سے ذکر کرتے ہیں۔ پرانے احباب کو چاہیئے کہ ان کو سمجھا دیا کریں۔

میری آج کی معروضات کا عنوان یہ ہے:

"مصائب میں خدا پرستوں کا مسلک"

دنیا میں کوئی شخص من کل الوجوہ آرام پا ہی نہیں سکتا۔

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورۃ البلد پارہ ۳۰)	ترجمہ: ہم نے انسان کو تکلیف اٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے

انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ پاک سب سے زیادہ با اخلاق اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں ستاتے۔ ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

حدیث شریف۔ عَنْ سَعْدٍ رضی قَالَ	ترجمہ: سعدؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم

سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ۔

(الحدیث)

رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی

صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سخت تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انبیا علیہم السلام۔ پھر وہ لوگ جو ان کے مشابہ ہوں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے مشابہ ہوں۔

سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں۔ اس کے بعد جو شخص جتنا مرتبہ میں ان کے قریب ہوگا اتنا ہی وہ مصائب کا شکار ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں لیکن مصائب ان پر بھی آتے ہیں۔

انسانوں کی دو قسمیں ہیں (۱) خدا پرست (۲) نفس پرست۔ مصائب میں دونوں مبتلا ہوتے ہیں نفس پرستوں پر مصائب ان کی اپنی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :-

قولہ تعالیٰ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ ترجمہ : اور جو مصیبت تم پر آتی

فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (سورۃ الشوریٰ رکوع ۱۰ پارہ ۲۵) | ہے سو وہ بدلہ ہے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے (اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ)

مصائب خدا پرستوں پر بھی آتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام خدا پرستوں کے امام ہوتے ہیں وہ چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان پر مصائب کا آنا ان کی شامتِ اعمال کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ مصائب قرب الی اللہ میں ان کی ترقی درجات کا باعث بنتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تکالیف کے متعلق سورۃ آل عمران رکوع ۱۵ پارہ ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قوله تعالیٰ: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ

ترجمہ: اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں، بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥ فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ٥

ثابت قدم رہنے والوں سے اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا اے رب ہمارے! بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کاموں میں اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور مدد دے ہم کو کافروں کی قوم پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا دنیا کا ثواب اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ امثال عبرت کے لیے ہوتی ہیں۔ ان آیات میں امت محمدیہ کو سبق دیا جا رہا ہے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہؓ کرام نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے ان کو جو تکالیف پہنچیں ان پر نہ وہ ہارے نہ سست ہوئے اور نہ دبے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو پہلے سوچ سمجھ کر

اپنا صحیح مسلک متعین کر لینے کی توفیق عطا فرمائے
آمین یا الٰہ العالمین ط صحیح مسلک ہے کتاب و
سنت پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو عمل کی دعوت
دینا۔ اسی طریقہ سے ہم تک دین پہنچا ہے۔ پارہ
۳۰ کی ایک چھوٹی سی سورۃ والعصر میں اللہ تعالیٰ
نے زندہ قوموں کے لیے چار اصول بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ایمان یعنی اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کے ہر ارشاد
پر دل سے مہر تصدیق لگانا۔

۲۔ ان ارشادات کو عملی جامہ پہنانا۔

۳۔ تواصی بالحق یعنی دوسروں کو اس دائرۂ حق
میں لانے کی کوشش کرنا۔

۴۔ اس دعوت الی الحق میں جو مصائب آئیں
اس میں تواصی بالصبر کرنا۔ یعنی تکالیف میں
ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے
حضورؐ سے دین سیکھا اور اس کو آگے پہنچایا اسی
طرح دین زندہ رہ سکتا ہے۔ کہاں مدینہ منورہ اور

کہاں کابل! کابل میں آج تک ایسے دو صحابۂ کرام رض کے مزارات موجود ہیں۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ یہ مزارات دو پہاڑیوں کے درمیان ہیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کابل نے بغاوت کی تھی۔ پھر حضرت عثمان رض کی خلافت کے زمانے میں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے صحابۂ کرام کا لشکر مدینہ منورہ سے آیا تھا۔ فتح اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ صحابۂ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو دین سکھایا۔ اسی طرح الی یوم ھٰذا مفسرین۔ محدثین۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے ذریعہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

یہ مت سمجھئے کہ دین دار ہونے کے بعد تکلیفیں نہیں آئیں گی۔ بلکہ دیندار ہونے کے بعد تو تکالیف زیادہ آتی ہیں۔ سورۃ الحج رکوع ۲ پارہ ۱۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَمِنَ النَّاسِ　　ترجمہ: لوگوں میں سے وہ شخص بھی

مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ٥

ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی ایک کنارے سے پس اگر پہنچے ان کو بھلائی آرام پکڑے ساتھ اس عبادت کے اور اگر پہنچے اس کو فتنہ تو پلٹ جائے اوپر منہ اپنے کے جس سے دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھے۔ یہی کھلا نقصان ہے۔

کتاب و سنت کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے۔

الحدیث: عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (رواه فی الموطا)

ترجمہ: مالک بن انسؓ بطریق مرسل بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

یہی صحیح راستہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب راستے غلط ہیں۔ اسی لیے میں آپ سے ہمیشہ

یہی کہا کرتا ہوں کہ اگر کھرا دین چاہیئے۔ تو مدینہ سے لائیے۔ اگر آپ لاہور سے اوپر جائیں گے۔ تو راستہ میں ہی ڈوب مریں گے۔ عام طور پر سجدے کو جائز قرار دینے والے لوگوں سے یہ کہتے ہیں۔ کہ صرف وہابی کہتے ہیں کہ قبور پر سجدے نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ خواجہ علی ہجویریؒ۔ شاہ محمد غوث۔ حضرت میاں میرؒ کے مزارات پر سجدے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت کے اتباع میں استقامت عطا فرمائے۔ اسکے بعد مصیبتیں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ مصائب میں بھی استقامت عطا فرمائے۔ پہلے انبیاءؑ کے صحابہؓ کرام نے انبیاء کی معیت میں جہاد کیا۔ جب ان کو تکلیف پہنچی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو یاد کرکے معافی کی درخواست کی۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے کوئی گناہ ہو گیا ہوگا۔ جس کی سزا مل رہی ہے جیسے فارسی میں کسی نے

کہا ہے کہ آنچہ بر ما است از ماست" وہ اللہ تعالیٰ کو ظالم نہیں بناتے۔ اس کے بعد ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے گناہوں کے باعث بزدل ہوں اس لیے ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم رکھ۔ جہاد میں بھی تکالیف آتی ہیں۔ اس لیے وہ اللہ تعالےٰ سے معافی کی درخواست کر رہے ہیں کہ تیری مرضی کے خلاف کوئی بات ہو گئی ہے۔ جس کی ہمیں سزا مل رہی ہے۔

اشاعتِ دین فرض کفایہ ہے۔ اس میں ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حصہ لے سکتا ہے مثلاً اگر ایک شخص ناظرہ قرآن پاک پڑھا سکتا ہے تو وہ ناظرہ پڑھا دے۔ دوسرا اگر قرآن کا ترجمہ پڑھا سکتا ہے تو وہ ترجمہ پڑھا دے۔ جو ان میں سے کوئی کام نہیں کر سکتے وہ کسی ایسے قسم کا کام کرنے والے کے دست و بازو بن جائیں۔ جس کام میں آپ کسی کا ہاتھ بٹائیں گے۔ اسی میں آپ کا حصہ ہو

گا۔ سورۃ البقرہ رکوع ۳۷ پارہ ۳ میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞

اللہ کے راستے میں بھی تکالیف آئیں گی اللہ تعالیٰ ان کو شامتِ اعمال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین ط

اگر کسی کامل سے تعلق ہو اور انسان کے آزمائش کے موقع پر قدم پھسلنے لگیں تو کامل تھام لیتا ہے۔ ایک جنگ میں صحابۂ کرام کے قدم اکھڑ گئے وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ وہ حضورؐ کے پاس آ کر عرض کرتے ہیں۔ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ (ہم بھاگنے والے ہیں)، آپ نے ان کو تھام لیا ان کو تسلی دی اور فرمایا: لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ (نہیں بلکہ تم پھر لڑنے کے لیے واپس جانے والے ہو) غزوہ احد میں

بھی بھاگ نکلے تھے غلطی ان کی تھی مگر حضورؐ نے ان کو تھام لیا۔ یا فدائیت کا دعویٰ یا میدانِ جنگ سے فرار مگر حضورؐ ان کو نہیں جتلاتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس شفقت کی ان الفاظ میں تعریف فرماتے ہیں: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ط

اب بھی یہی ہوگا۔ پنجابی میں کہتے ہیں۔ یا خود مردِ ہووے یا مرد دے سایہ ہیٹھ رہے (یا تو خود مرد ہو یا مرد کے سایہ کے نیچے رہے) میں اس کے مقابلہ میں کہا کرتا ہوں یا تو انسان خود صاحبِ استقامت ہو یا کسی صاحبِ استقامت کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے۔ ورنہ ہر وقت پھسلنے کا خطرہ ہے۔ تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں کئی پھسل گئے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے آمین یا الٰہ العٰلمین نیت نیک ہو رضائے الٰہی مقصود ہو اور طبیعت میں جلد بازی نہ ہو۔ اس قسم کا صاحبِ استقامت انسان کتاب وسنت کے مقابلہ میں دس کروڑ علماء کی بھی پرواہ نہ کرے گا۔ جو کتاب وسنت کے مخالف ہوں۔

باطل حملہ آور ہوتا ہے۔ حق پرست خم ٹھونک کر
مقابلہ میں آتے ہیں۔ انہیں حضرات کی برکت
سے آج بھی اسلام زندہ اور تابندہ ہے۔ ایک دفعہ
ایک شخص موری دروازہ سے میرے پاس آیا۔ اور
اس نے ایک برات کا واقعہ سنایا۔ وہ برات شیرانوالہ
دروازہ سے گئی تھی۔ باجہ ساتھ نہ تھا۔ ایک جگہ لوگ
ٹولیاں بن کر باتیں کرنے لگے۔ اس کا بیان ہے کہ
میں بھی ایک ٹولی کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ لوگ
یہ کہہ رہے تھے کہ ان وہابیوں کا بیڑا غرق ہو
جائے۔ انہوں نے باجہ بھی اڑا دیا۔ گویا باجہ
بھی جزوِ دین ہے۔ دیندار ہونے کے بعد کانٹے تو
بعد میں مقابلہ میں آئے گا پہلے بیوی، اولاد اور
برادری دشمن ہو گی اور اللہ تعالیٰ استقامت دے
تو اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کی رضا کے مقابلہ میں کبھی
کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مقصد یہ ہو کہ دین زندہ
رہے۔ اگر اس کے لیے جیل بھی جانا پڑے تو یہ
بھی گوارا ہو۔ کیا چور جیل نہیں جاتے ہم دین کے

لیے چلے گئے تو کیا ہوا۔

خدا پرستوں کو نفس پرست خواہ مخواہ ستاتے ہیں۔ انبیاء تو کسی کو نہیں ستاتے لیکن لوگ ان کو بھی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کی درد بھرے الفاظ میں شکایت فرماتے ہیں؛ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

(سورۃ الصف رکوع ۱ پ ۲۸)

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت کے راستہ پر قائم رکھے اور اس راستہ پر چلنے میں جو تکالیف بھی آئیں۔ ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العلمین ؁

خوشخبری

انجمن خدام الدین نے ایسا مترجم قرآن مجید حال ہی میں طبع کرایا ہے جس کے ترجمہ پر دیو بندی - بریلوی - اہلحدیث اور شیعہ علمائے کرام کے دستخط ہیں - کہ یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے ہدیہ موجودہ اشیاء کی گرانی کے باوجود صرف چھ روپیہ ہے - کاغذ بھی قیمتی اور طباعت بھی عمدہ ہے اور جلد بھی اچھی ہے -

خطباتِ جمعہ

از مولانا احمد علی صاحب

قیمت حصہ اول ۱۲ر - حصہ دوم عہ/ - حصہ سوم عہر - حصہ چہارم ۱۲ر - حصہ پنجم ۱۲ر حصہ ششم ۱۲ر حصہ ہفتم ۱۲ر **مجلسِ ذکر** حصہ اول عہر حصہ دوم عہ ر - خلاصۃ المشکوٰۃ عہ ر - پانچوں تفسیروں کا مجموعہ ۱۲ر سٹ رسائل مجلد ۸ر -

مِلنے کا پتہ: ناظم دفتر انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

کتبہ سلطان احمد کاتب لاہور